آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✻ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

Digitized by Khilafat Library

جلد ۱۴ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۵ء نمبر ۸
مطابق شوال مکرم سنہ ۱۳۳۳ھ

قیمت سالانہ

علاوہ محصول ڈاک

فہرست مضامین

کامل مذہب ۲۸۱-۲۹۱

اکبر مسیح کی کتاب منارۃ البیضاء کا جواب ۲۹۱-۲۹۹

بائیبل کی پیشگوئیاں ۲۹۹/۳۱۴

انجیلی زبان - ۳۱۴-۳۱۸

گوشوارہ ۳۱۹-۳۲۰

اُردو قاعدہ

قاعدہ یسرنا القرآن حصہ سوئم جو اُردو پڑھنا سیکھنے کے لئے قاعدہ مذکور کی طرز پر بعد ترمیم چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ جیسے یہ قاعدہ عربی پڑھنے کیلئے مفید ہے ویسے ہی یہ حصہ اردو کیلئے بھی مفید ہے۔ ایسا ہی قاعدہ یسرنا القرآن مکمل اور حصہ اوّل۔ اور اس قاعدہ کی طرز تحریر اور رسم خط کے تین پارہ موجود ہیں جنہیں بچے نہایت آسانی سے پڑھ سکتے۔ قیمت مکمل قاعدہ ۲ر حصہ اول ۱ر حصہ سوئم ۱ر اور فی پارہ ۱ر ہے۔ کتاب مرقات الیقین فی حیوۃ نورالدین کی قیمت عہ ہے۔ اور یہ ساری کتابیں دفتر میگزین سے مل سکتی ہیں:۔

شرح اجرت اشتہارات رسالہ ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو
سالانہ	للعـہ	للعـہ	دعـہ	دعـہ	دعـہ	دعـہ	سے ر	سے ر
ششماہی	دعـہ	دعـہ	دعـہ	دعـہ	عـہ	عـہ	عـہ ۱۲ر	عـہ ۱۲ر
سہ ماہی	دعـہ	دعـہ	عـہ	عـہ	اکـہ ر	اکـہ ر	عـہ ر	عـہ ر
ایک دفعہ	لـے ۸ر	لـے ۸ر	للعہ ر	للعہ ر	سے ر	سے ر	۸ر	۸ر

تمام درخواستیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

ڈاکٹر کی ہدایت

ہر ایک قسم کے بخار کیلئے باٹلی والا کا بخار کا عرق اور گولیاں استعمال کرنی چاہئیں قیمت عہ باٹلی والا کی مقوی گولیاں۔ ضعف دماغ۔ ضعف اعصاب۔ دق کے ابتدائی عوارض اور بدہضمی کیلئے بہت مفید ہیں قیمت عہ باٹلی والا کا دانتوں کا منجن نہایت مفید قیمت ۴ر باٹلی والا کا داد کا مرہم جو پھوڑے پھنسیوں کیلئے مفید ہے قیمت ۴ر تمام بڑے دوا فروشوں سے یا ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہے:۔

Dr. H. L. Batli wala and sons worli Bombay.

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کامل مذہب نمبر ۳

(رقمزدہ مولوی عطاء الرحمن صاحب ایم۔ اے)
انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا
سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو اُردو ماہ جنوری و فروری ۱۹۱۵ء

من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ و ھو مؤمن فلنحیینہ حیٰوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ۝ النحل ع ۱۳

ترجمہ۔ جس نے نیک کام کیا خواہ مرد ہو یا عورت اگر وہ مومن ہے تو ہم اسکو یقیناً ایک اچھی زندگی جلائیں گے اور یقیناً بدلہ میں دینگے اجر بہتر کاموں پر جو وہ کرتے تھے۔

مضمون ہذا کے گذشتہ نمبر میں ہم نے یہ ظاہر کیا تھا کہ جو شخص زندگی کی اصلاح کا خواہاں ہو اسپر لازم ہے کہ ایمان کو مضبوط کرے اور عمل کی رسی کو مضبوط پکڑے۔ حقیقۃً بات بھی یہی ہے اور اسی لیئے خداوند تعالیٰ نے آیت مندرجہ عنوان میں پاک زندگی کے حصول کا مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر رکھا ہے۔ اور حیاتِ طیبہ کے حصول کے لیئے اعمال صالحہ بجالانیوالوں پر مومن ہونا اور مومن پر اعمال صالحہ بجالانا فرض قرار دیا ہے:

غرض گذشتہ نمبر میں ہم دکھلا چکے ہیں کہ پاک زندگی کے حاصل کرنیکے لیئے ایمان و اعمال صالحہ دو ایسی شرائط ہیں جن کے بغیر گوہر مقصود کی دستیابی محال ہے۔

اب نمبر زیرِ قلم میں ہم مختصراً یہ دکھائیں گے کہ حیاتِ طیّبہ کسے کہتے ہیں؟ اور خدائے تعالیٰ کی کتاب نے شرائط مذکورہ کے ماتحت کونسے ذرائع بتائے ہیں جنپر عمل پیرا ہوکر انسان اخلاق فاضلہ کے بام رفیع پر چڑھ سکتا ہے اور موعودہ زندگی کے دامن عزت بخش سے وابستہ ہونیکی امید کر سکتا ہے

اخلاقی زندگی میں ضمیر کا مقام

واضح رہے کہ عالم حیوانات میں انسان کو جو بہترین درجہ تمیز اور اعلیٰ ترین حق حاصل ہے وہ اخلاقی زندگی کے حصول کا امکان ہے آدم کے بیٹے کی طبیعت اپنی خلقت میں اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اپنی ضد آپ ہے۔ انسان اپنے مزاج کے اعلیٰ و اسفل طبقات میں روح و حواس میں نیز عقل و خواہش میں تمیز و امتیاز کر سکتا ہے وہ محسوس کر سکتا ہے کہ اُسکے اندر ایک ایسا عالمگیر عنصر ہے جو مجربات مخصوصہ کی حدود سے باہر اور اُنکی حکومت سے آزاد ہے۔ اس عالمگیر عنصر کا نام کانشنس یا ضمیر ہے اور اسی کا دوسرا نام عقل یا قوت ممیزہ بھی ہے۔ اس عنصر کے ذریعہ ہمیں اُس پاک حکومت کی موجودگی کا انکشاف ہوتا ہے جسکے زیر نگین ہمارے وجود کی سر زمین ہے۔

ضمیر کا کام اور مقام

اس موضوع پر حکیم لیکی Lecky فرماتے ہیں "جہاں ہمارے حواس و خواہشات میں سے ہر ایک کا دائرۂ عمل محدود ہے وہاں ضمیر کے سپرد یہ خدمت ہے کہ وہ ہمارے وجود کے تمام نظام پر حکومت کرے اور مختلف جذبات کی نیز آرزوؤں کی تکمیل کو مناسب حدود کے اندر رکھے۔ اگرچہ یہ امر انسانی فطرت کے دیگر اصولوں سے اگر بلحاظ مقدار نہیں تو بلحاظ نوعیت ضرور مختلف ہے تاہم ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہر ایک طرز عمل جو ضمیر کے خلاف ہوگا اُس کا نام فعل غیر طبعی یا خلاف فطرت رکھا جائیگا خواہ وہ ہماری فطری خواہشات کے مطابق ہی کیوں نہ ہو) یہ اس لئے کہ ضمیر کو تمیز کرنے اور تمام قویٰ پر ضبط رکھنے کا استحقاق مخصوصہ عنایت کیا گیا ہے۔ پس یہی ایک قوت ہے جو بر عکس دیگر خواہشات و جذبات و مذاقات نیکی کو زندگی کا اعلیٰ قانون مقرر کرتی ہے۔ اور اپنے جذبہ کشش کو تحکم کے رنگ سے رنگین کرتی ہے۔ اسی قوت کا نام سنسر نے "وہ خدا جو ہمارے اندر حکمران ہے" رکھا ہے اور اسی کو روم کے سٹوِاک (Stoics) "عقل کی حکومت" کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کو پولوس نے "قانون فطرت" قرار دیا تھا پھر اسی کو بٹلر Butler (ر) "ضمیر کی عظمت"

کے نام سے یاد کرتا ہے "۔

بصارت و بصیرت

اب اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ انسان کو فطرۃً ایک ایسی اخلاقی حس ودیعت کی گئی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی طبیعت کے اعلیٰ و اسفل طبقوں میں تمیز کر سکتا ہے چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وھدینٰہ النجدین - فلا اقتحم العقبۃ

ترجمہ - اور ہم نے اُسکو (انسان کو) دو شاہ راہیں دکھائیں۔ پس اُس نے کوشش نہ کی کہ مشکل راستہ اختیار کرے۔ یہ دونوں شاہ راہیں نیکی و بدی کے راستے ہیں اور خود ذات باری نے انسان کو اُنکا پتہ دیا ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو جس طرح جسمانی بصارت عنایت کی ہے اسی طرح اُسے روحانی بصیرت بھی بخشی ہے۔ اب اس امر کا امکان ہے کہ کسی شخص کی روحانی آنکھ کچھ مدت کے لیئے بند رہے یا خواہشات نفسانی میں مبتلا ہونے کے باعث اُسکی بصیرت پر پردہ حائل ہو جائے مگر کسی شے کے عارضی تعطل سے اُس کا عدم لازم نہیں آتا اور یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ خدائے تعالیٰ نے بعض افراد کو روحانی بینائی سے کلیۃً محروم رکھا ہے یا یہ کہ اُنکو چشم بصیرت عطا ہی نہیں کی گئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اُس جوہر بے بہا سے متمتع کیا ہے جس کا نام دل کی آنکھ ہے۔

انسان صاحبِ اختیار ہے

البتہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس قوتِ خداداد سے کام لے یا اسے اپنی بداعمالی کے باعث ناکارہ کر دے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

ونفس وما سوّٰھا - فالھمھا فجورھا وتقوٰھا - قد افلح من زکّٰھا - وقد خاب من دسّٰھا - (ترجمہ) قسم ہے نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اسے درست کیا - اور اُسے الہام کی اُسکی شرارت اور پاکیزگی - مبارک ہے وہ جس نے اُسے پاکیزہ رکھا اور گھاٹے میں ہے وہ جس نے اسے گندہ کر دیا۔

نفس ضمیر

ان آیات پر تھوڑا سا غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان میں ایک اخلاقی قوت ہے جس کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں نفس ہے اور اس کا نام حکماء نے فطرت - عقل - روح - حکم ان قلب یا ضمیر رکھا ہے - اسکے بعد انہی آیات میں لفظ فالھمھا قابل غور ہے

اس کا مصدر الہام ہے اور یہ لفظ اس امر پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسان کو فطرت کے مختلف طبقات کے درمیان فرق و تمیز کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور اسکی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر انسان نہ صرف حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے بلکہ انعام و عذاب سے بھی حصہ لیتا ہے جیسا کہ قد افلح من زکّٰھا و قد خاب من دسّٰھا سے ظاہر ہے۔

نفس کے دو فرائض

گویا اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ نفس کے دو فرائض ہیں جو آیات محولہ بالا میں بوضاحت بیان ہو چکے ہیں۔ اور انہی فرائض کی نسبت حکیم لیکی (Leeky) رقمطراز ہیں:
"ضمیر کو خواہ ہم اصل قوّت تصور کریں خواہ خیالات کے اجتماع و تبادلہ کا نتیجہ سمجھیں بہر حال اُسکے دو جداگانہ فرائض ہیں۔ اولاً اسکے ذریعہ حق و باطل میں تمیز کیجاتی ہے اور جب اسکے احکام کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو کم و بیش سزا و تکلیف پیش آتی ہے۔"

نفس کی اطاعت [illegible]

ضمیر یا نفس کے اختیارات و فرائض معلوم کرنے کے بعد ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ انسان پاکیزہ و مطہّر زندگی یعنی حیاتِ طیبہ کے کسب کرنے کے لیئے اپنے اختیار کو کام میں لا سکتا ہے اگر وہ اپنے نفس کی آواز صحیح پر کان دھرے اور فطرت کی پاک جستوں کو آلائیش و گند سے بچائے رکھے تو فلاح کے راستہ پہ قدم مارے گا اور حیاتِ طیبہ حاصل کر لیگا اور اگر وہ بد اخلاقی و بد اطواری کا چلن اختیار کر کے فطرت صحیحہ کی پاک جستوں کو پامال و برباد کریگا تو اُسے ذلّت و نکبت کی زندگی سے دوچار ہونا پڑیگا اور ناپاکی و گند کا طوق اسکی گردن میں پڑیگا۔ غرض قرآن کریم کے رد سے صاف ظاہر ہے کہ انسان اپنی نجات کے لیئے خود کوشش کرنے اور اپنی سعی کے نتائج حاصل کرنے میں کُلّیۃً مختار ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ محولہ بالا آیات کے ساتھ ہی آگے چلکر نفس یا ضمیر کو ناقۃ اللہ یعنی خدا کی اونٹنی سے تشبیہ دیتا ہے اور انسان کو ارشاد ہوتا ہے کہ اُسے 'پینے' سے باز نہ رکھا جائے۔ اور اسطرح ضمیر کی آواز پر کان دھرنے کی تاکید کیجاتی اور اُسکے خلاف راستہ اختیار کرنے سے روکا جاتا ہے اس موضوع پر اور اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت احمد نبی اللہ فرماتے ہیں:-

نفس ناقۃ اللہ ہی

"اللہ جلشانہٗ ایک مثال کے طور پر ثمود کی قوم کا ذکر کر کے فرماتا ہے۔ کہ

انہوں نے بباعث اپنی جبلی سرکشی کے اپنے وقت کے نبی کو جھٹلایا اور اس کی تکذیب کے لیئے ایک بڑا بدبخت انمیں سے پیش قدم ہوا اسوقت کے رسول نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی جگہ کا تعرض مت کرو۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اونٹنی کے پاؤں کاٹے سو اس جرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے انپر موت کی مار ڈالی اور انہیں خاک سے ملا دیا .... یہ ایک نہایت لطیف مثال ہے جو کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کے نفس کو ناقۃ اللہ سے مشابہت دینے کے لیئے اسجگہ لکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس بھی درحقیقت اسی غرض کے لیئے پیدا کیا گیا ہے کہ تا وہ ناقۃ اللہ کا کام دیوے اس کے فنافی اللہ ہونے کی حالتمیں خدائے تعالیٰ اپنی پاک تجلّی کے ساتھ اس پر سوار ہو جیسے کوئی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے۔ سو نفس پرست لوگوں کو جو حق سے منہ پھیر رہے ہیں تہدید اور انذار کے طور پر فرمایا کہ تم لوگ بھی قوم ثمود کی طرح ناقۃ اللہ کا سُقیا یعنی اسکے پانی پینے کی جگہ جو یاد الٰہی اور معارف الٰہی کا چشمہ ہے جس پر اس ناقہ کی زندگی موقوف ہے اسپر بند کر رہے ہو اور نہ صرف بند بلکہ اس کے پیر کاٹنے کی فکر میں ہو۔ تا وہ خدائے تعالیٰ کی راہوں پر چلنے سے بالکل رہ جائے سو اگر تم اپنی خیر مانگتے ہو تو وہ زندگی کا پانی اسپر بند مت کرو۔ اور اپنی بےجا خواہشوں کے تیر و تبر سے اسکے پیر مت کاٹو اگر تم ایسا کروگے اور وہ ناقہ جو خدائے تعالیٰ کی سواری کے لیئے تم کو دیگئی ہے مجروح ہو کر مر جائیگی تو تم بالکل نکمے اور خشک لکڑی کی طرح متصوّر ہو کر کاٹ دیئے جاؤ گے اور پھر آگ میں ڈالے جاؤ گے۔" (توضیح مرام صفحہ ۶۴ و ۶۵)

ہم میں سے ہر ایک شاہ آرتھر ہے

لاریب آیات مذکورہ۔ جنکی لطیف تفسیر سطور بالا میں درج ہے۔ ایک عظیم الشان راستی کا اعلان کرتی ہیں۔ اور اخلاقی آزادی کا قابل قدر سبق تعلیم کرتی ہیں۔ ان آیات کریمہ کے مطابق ہم میں سے ہر ایک شاہ آرتھر ہے اور ہر ایک کو آسمان کی طرف سے آرتھر کی جادو والی تلوار عنایت کی گئی ہے اور ایک سچے سپاہی کی طرح ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اس تلوار کو ہمیشہ تیز رکھے۔

اخلاقی زندگی کے مدرسہ میں کوئی تعطیل نہیں دیجاتی اور نہ ہی اس دربار میں ایک شخص دوسرے کا قائم مقام ہو سکتا ہے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اخلاقی قسمت کی تشکیل اپنے آپ کرے

اور اپنی اخلاقی دولت سرائے کی تعمیر خود اپنے ہاتھوں اور اپنی محنت سے انجام پذیر کرے اس اخلاقی آزادی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں برداشت کرے گا۔ اور پھر فرماتے ہیں وان لیس للانسان الا ما سعیٰ یعنی تحقیق انسان کو وہی کچھ دستیاب ہوگا جس کا اس کی اپنی کوششیں اُسے مستحق قرار دینگی۔

اپنی آپ فکر کرے

الغرض انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اخلاقی و روحانی بہتری کے لیئے کوشش وسعی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے اُسے قویٰ عنایت فرمائے ہیں لیکن یہ اس کا کام ہے کہ وہ ان سے مناسب کام لے اور اپنی سعی و کوشش سے خدا کے عطا کردہ بیج کی آبپاشی کرکے اُسے ثمردار درخت بنائے۔ جھیل کی ملکہ نے شاہ آرتھر کو "جادو کی تلوار" عنایت کی تھی مگر یہ آرتھر کا فرض تھا کہ اس تلوار کو جنبش دے اور دشمن کے مقابل اس کا استعمال کرے اور شجاعت کی داد دے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام نے اخلاق کی عمارت کا بنیادی پتھر "ہر شخص اپنی آپ فکر کرے" پر رکھا ہے۔ اور دنیا کے بہترین علماء و حکماء اس اصول کے زبردست حامی اور مصدق ہیں۔

نجات ذات کا حصول

پروفیسر جیمز سیتھ فرماتے ہیں "کوئی انسان دوسرے شخص کے اخلاقی کار مفوضہ کو انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اخلاقی زندگی میں قائم مقامی کا سلسلہ ہو سکتا ہے ...... نیکی بجائے خود اس بات کی متقاضی ہے کہ اسکے حاصل کرنے میں انفرادی کوششیں ہوں اور ہر شخص اپنی نجات کی آپ فکر کرے۔ ہر فرد اپنی جنگ آپ لڑے اور اپنی فتوحات کا تاج اپنے ہاتھ سے زیب سر کرے۔ اور اگر اُسے شکست ہو تو پھر اُسکا خمیازہ بھی خود ہی اُٹھائے اور تکلیف برداشت کرکے تکمیل تامہ حاصل کرنے کی سعی کرے اخلاقی زندگی حقیقۃً ایک ذاتی زندگی ہے اور اس کی ذیل میں تمام قسم کے اخلاق بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر شخص کے لیئے زندگی کا مطمح نظر "ذات سے ذات کا حصول" ہونا چاہیئے۔ یعنی ہم اپنی سعی سے مخصوص انسانی مدارج۔ حقوق اور اعلیٰ ذمہ داریوں کو حاصل کریں اور کسی انسان کو قطعاً اجازت نہ ہو کہ وہ ہمارے اور ہماری مناسب کام، کے درمیان آئے"۔

انسان کا درجہ فرشتوں سے بالاتر

اب یاد رکھنا چاہیئے کہ محض اس اخلاقی حِسّ کا طفیل ہے کہ جسکے باعث انسان کو مخلوق کے اندر اعلیٰ ترین مقام دیا گیا ہے اُسکو نہ صرف عالم حیوانات پر فوقیت حاصل ہے بلکہ اُس کا درجہ فرشتوں سے بھی بالاتر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور فرمایا واذ قال ربك للملٰئكة انی جاعل فی الارض خلیفه (ترجمہ) اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے تحقیق ہم بنانے والے ہیں زمین پر اپنا ایک نائب۔

گویا انسان کو اسقدر عظمت دی گئی کہ فرشتوں کو اُسکی اطاعت کرنے کا حکم ہوا۔ اور خلیفہ بنانے کے ساتھ ہی ذات باری نے حکم دیا واذ قلنا للملٰئكة اسجدوا لآدم فسجدوا الّا ابلیس۔ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔ (ترجمہ) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی اطاعت کرو تو سب نے سوائے ابلیس کے اطاعت اختیار کر لی اُس نے انکار کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

فوقیت کا راز

اب دیکھنا یہ ہے کہ آدمؑ کی اس عظمت کا کیا راز تھا اُسے فرشتوں پر کیوں فوقیت دیگئی؟ اسکے لئے ہمیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ بات صاف اور واضح ہے۔ فرشتوں کو اُس دوراہے سے واسطہ نہیں جس کا نام نیکی وبدی کی سڑکیں رکھا جا سکتا ہے اور جنکی وجہ سے اخلاقی جدوجہد کا امکان ہو سکتا ہے۔ فرشتوں کی زندگی اس جدوجہد سے پاک ہے وہ بے رنگ ساکن دریائے زندگی میں غوطہ لگاتے ہیں اُنکو اُن خواہشات وحسّوں سے سابقہ نہیں پڑتا جو آدم کے راستہ میں قیام پذیر ہیں۔ ابنائے آدم کو متلاطم سمندر کی لہروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اس مقابلہ کی وجہ سے جہاں اُسکی زندگی کا راستہ دشوار گذار ہے وہاں اسکے سامنے بیش بہا خزائن کا دفینہ بھی ہے۔ اس مضمون کو امریکہ کے مشہور عالم پروفیسر جیمز نے مفصلہ ذیل سطور میں نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔

شیطان کی گردن پر

پروفیسر موصوف لوور Louvre کی تصویر کا جسے Guido Reni گڈو رینی نے کھینچا تھا اور جسمیں مقدس میکائیل نے ایک پاؤں شیطان کی

گردن پر رکھا ہوا ہے۔ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس تصویر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اسمیں شیطان کی تصویر دیگئی ہے اور اس تصویر کی موجودگی تصویری زبان کے مفہوم کو واضح کر رہی ہے۔ یعنی یہ بتا رہی ہے کہ دنیا میں شیطان کا وجود بھی مفید ہے مگر اسی وقت تک کہ ہم اپنا پاؤں اسکی گردن پر رکھیں"

لاریب یہ ایک ہتم بالشان سچائی ہے اور آدم کے بچوں کو لازم ہے کہ شیطان کی گردن پر اپنا پاؤں رکھیں اور پھر دیکھیں کہ کس طرح آسمان کے فرشتے اُنکی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں پر بطیب خاطر رکھتے ہیں۔

فاتح کی کامیابی کی صورت

دیکھو! فتح کا تاج فاتح کے سر پر رکھا جاتا ہے نہ کہ مفتوح کے فرق پر۔ ہم نے مانا کہ فاتح کے جسم پر زخموں کے نشانات ہو گئے مگر عزت اسمیں ہے کہ وہ اپنی ڈھال گرانے کی بجائے اُسے زیب تن کر کے گھر واپس آئے۔ ہاں جو شخص اخلاقی زندگی میں صحیح و سالم داخل نہیں ہو سکتا اسکے لیئے بہتر ہے کہ کلی محرومیت کی بجائے ٹھر کر اور زخم خوردہ ہونے کی حالت میں داخل ہونیکو ہی ترجیح دے۔

انسان حیوانات سے کس لئے فوقیت رکھتا ہے

ہمیں اس موقعہ پر یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ انسان کو دیگر حیوانات پر اگر فوقیت ہے تو محض اسلیئے کہ اسکو نیک و بد میں تمیز کرنے اور جد و جہد کے بعد اپنا راستہ اختیار کرنے کی طاقت بخشی گئی ہے۔ حیوان وقتی مخلوق ہیں۔ اُنکی زندگی خواہشات اور آرزوؤں کے متواتر جداگانہ مجرّبات کا سلسلہ ہے اُنمیں غور و فکر کا مادہ نہیں وہ جد و جہد اور مقابلہ سے بری ہیں اُنکی خواہشات پیدا ہونے کے ساتھ ہی پوری ہو جاتی ہیں برعکس ازیں انسان کی زندگی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ وہ غور کر سکتا تامل سے کام لیتا اور اپنی خواہشات پر قابو پا سکتا ہے وہ خود ضبطی کا اظہار کر سکتا ہے اور یہی خود ضبطی ایک ایسا وصف ہے جو انسانی اور آسمانی حدود کا نقطہ اتصال ہے۔

پھر اور لیجئے۔ حیوان اپنے مخصوص زبانی مجربات سے تجاوز نہیں کر سکتا اسے کوئی خاص مدعا مد نظر نہیں۔ حکیم ارسطو کا قول ہے کہ نیچر ایک انجام کی طرف تو جاتی ہے مگر اسے اسکی نسبت کوئی علم نہیں، مگر انسان اسکے خلاف مادہ غور و فکر رکھتا ہے وہ خیال کر سکتا

ہے اور اس خیال کا نام ہی مدعا کی خاموش پیشگوئی رکھا گیا ہے۔

حیوانی طبیعت میں تقسیم نہیں

اس میں شک نہیں کہ یہ خیال و فکر انسانی زندگی کو بے قرار بناتے ہیں مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ یہ بے قراری اُس قرار سے بدرجہا بہتر ہے جو گھاس چرنے والے مواشی کے دل میں جاگزین ہو۔ حکماء نے عقل کو پاک بے صبری کے راز سے تعبیر کیا ہے اور حیوانی زندگی میں اس عالمگیر عنصر کا عدم موجود ہونا اس زندگی کو اسکے فطری جذبات اور جداگانہ تجربات کے مطابق بنا دیتا ہے حکیم کیرڈ لکھتے ہیں ”حیوانی طبیعت میں کوئی تقسیم نہیں اس کی ترقی کوئی ایسی فتح نہیں جو شریفانہ جذبات کمینی خواہشات سے مقابلہ کرنے کے بعد بتدریج حاصل کریں بلکہ اسکی ترقی غیر محسوس اور بلا مقابلہ ترقی ہے جسکا مطمح نظر غیر معلوم ہے۔ .... محض حیوانی طبیعت میں کوئی عالمگیر عنصر نہیں۔ اسکی زندگی خواہش اور حِس کے جداگانہ اور متواتر سلسلے کے مطابق بلکہ اُسی میں جذب شدہ ہوتی ہے۔ اس میں کوئی روحانی کڑی ایسی نہیں جو اسکی خواہشات اور حِسوں کو باہم جکڑ سکے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی احساس ذاتی ہے جو انکے اندر تداخل حاصل کر سکے۔ انکو قائم رکھے اور اپنی آزادانہ حیثیت کے قیام کو محسوس کر سکے۔ حیوان ایک تاثر یا جذبے سے معاً دوسرے کی طرف چلا جاتا ہے اور ایک خواہش کے پورا ہونے کے ساتھ ہی فوراً اُسکی طبیعت دوسری خواہش کی طرف مائل ہو جاتی ہے وہ قطعاً ایک چیز کا دوسری کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی تمام واقعات کا مجموعی تصور قائم رکھکر متواتر اور قابل احساس تاریخ محفوظ رکھ سکتا ہے اُس کا کوئی ایسا زمانہ ماضی نہیں جسکے تجربات ذخیرہ ہو کر حال میں کام آسکیں اور مستقبل کے لیے کسی نتیجہ کی خاطر باقی رہ سکیں“۔

[illegible]

قرآن پاک ہم کو حیوانی زندگی سے بچنے کی بتاکید تمام تحریک کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ اس زندگی میں مبتلا ہونا زمانی جذبات کی حکومت کے سامنے سجدہ کرنے کے مرادف ہے۔ جب ہم عقل کی حکومت سے بغاوت کرتے ہیں۔ تو ہماری زندگی حیوانی زندگی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ انسان کی بہتری

کار از خود ضبطی اور جذبات کی مغلوبیت میں مضمر ہے اور جذبات کی مغلوبیت سے ہماری مراد یہ نہیں کہ تمام حسوں کو تباہ کر دیا جائے اور اس طرح مغلوبیت کے کام کو آسان کر لیا جائے بلکہ اس غلبہ بر نفس سے ہماری مراد یہ ہے کہ تمام حسوں اور خواہشات وجذبات کو فطرت سلیمہ صحیحہ کے ماتحت کیا جائے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ تمام حسوں سے مناسب کام لیا جائے اور انکو اعلیٰ جذبات فطرت کے مطابق چلایا جائے۔ اسی موافقت یا مطابقت کا نام کامل زندگی ہے اسی کا نام یونانی لوگ 'خوبصورت زندگی' رکھا کرتے تھے اس موافقت کے بغیر انسان کا نام حیوان انسان یا انسان صورت شیطان رکھا جانا موزون ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس حالت میں قصے کہانیوں کے بھوتوں سے زیادہ گھناؤنا اور بدنما ہے کیونکہ گو اُس کا جسم انسان کا سا ہو مگر اسکے اخلاق یقیناً اُن بھوت پریتوں کی شکل کے مشابہ ہیں جن کی تصاویر دانا مصوّروں نے بہترین تصور کے بعد بنائی ہیں۔

حیوانوں سے بدتر انسان

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب نے ایسے انسانوں کو حیوانوں سے بدتر قرار دیا ہے۔ اور فرماتا ہے **ولقد ذرأنا لجھنم کثیرًا من الجن والانس لھم قلوبٌ لا یفقھون بھا ولھم اعینٌ لا یبصرون بھا ولھم اذانٌ لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغٰفلون** (ترجمہ) اور جنوں و انسانوں میں سے بہت سے لوگ ہم نے جہنم کے لیئے پیدا کیئے ہیں انکے دل ہیں جنکے ذریعے حق کو نہیں پہچانتے اور انکے لیئے آنکھیں ہیں جن کے ذریعے وہ حق کو نہیں دیکھ سکتے اور انکے کان ہیں جنکے ذریعے سے وہ حق کو نہیں سُن سکتے یہی لوگ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ انسے بھی بدتر۔ یہی لوگ تو حق سے غافل ہیں؛

ضمیر

خدائے تعالیٰ کی کتاب نے پاک زندگی کے حصول کا انحصار ایمان و اعمال صالحہ پر رکھا ہے۔ اور اکتساب اخلاق کے لیئے انسان کو فعل مختار کیا ہے اُسکے سامنے نیکی و بدی کی شاہ راہیں موجود ہیں اُسکا ضمیر یا نفس ہر موقعہ پر اُسے بدی کی راہوں کی طرف

سے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ اُسکو اختیار ہے کہ وہ شیطان کو مغلوب کر کے فرشتوں سے خراج اطاعت وصول کرے وہ مجاز ہے کہ بزدل بنکر میدان جدوجہد میں ہتھیار ڈال دے اور ضمیر کے خلاف راستہ اختیار کر کے ذلت و نکبت کے ویرانے میں داخل ہو۔ اُسکو ملائک پر فوقیت ہے کیونکہ اُسے بدی سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ وہ بہائم سے بالاتر ہے کیونکہ اُسمیں مادہ تمیز و ادراک ہے پس جو شخص فطرت سلیمہ صحیحہ کی آواز پر کان دھر کر اعمال صالحہ بجالاتا ہے اور کسب اخلاق کرتا ہے وہ حیاتِ طیبہ حاصل کرتا ہے جو شخص ضمیر کی خلاف ورزی کا ارتکاب کر کے خداداد قویٰ سے مناسب اور بجا کام نہیں لیتا وہ بہائم سیرت ہوتا اور پاک زندگی سے محروم ہوتا ہے ؛ (باقی آئندہ)

اکبر مسیح کی کتاب منارۃ البیضاء کا جواب ۲

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو ریویو بابت ماہ مئی ۱۹۱۵ء)

چونکہ ردّ منارۃ البیضاء جو ماہ مئی سنہ ۱۹۱۵ء کے ریویو آف ریلیجنز میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں ہم نے اول ہی یہ بتلایا تھا کہ جو باتیں علمیت اور مناظرہ کے متعلق ہونگی۔ ہم صرف انہی کی تردید کرینگے۔ اس لیئے ہم باقی وہ باتیں جو اکبر مسیح صاحب کا سنجیدہ[۱] مذاق ہیں (دیباچہ طربتہ عیسوی صفحہ ۳) نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں:۔

ریویو آف ریلیجنز کے ایک نامہ نگار نے اپنے مضمون بعنوان مسیح کی آمد ثانی جو جنوری سنہ ۱۹۰۶ء کے ریویو میں شائع ہوا تھا یہ لکھا تھا۔ کہ مسیح موعود کا زمانہ بمطابق یہودیوں اور مسیحیوں کی روایات کی رو سے آدم علیہ السلام سے ساتویں ہزار میں واقع ہوگا۔

اب اکبر مسیح اپنی انگلیوں پر حساب لگا کر پوچھتا ہے۔ کہ ساتواں ہزار شروع نہیں ہوا۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ آدم علیہ السلام کو پیدا ہوئے اب آپکی مقرر کردہ تعداد کے برابر سال گذر چکے ہیں۔ سو ہم اسکو بتا دینے میں کہ نامہ نگار مذکور نے

[۱] دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۹۲

زبور ۹۰/۴ کا حوالہ دیا تھا۔ اب اسی زبور کی تشریح پطرس ۲ ع ۳/۸ میں پڑھو۔ جہاں لکھا ہے:۔ "اے عزیزو! یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے۔ کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔ اور ہزار برس ایک دن کے برابر۔" اب اکبر مسیح بتادے۔ کہ کتاب پیدائش میں جو لکھا ہے۔ کہ خدا نے چھ دن میں سب کچھ بنایا۔ اور ساتویں دن اپنے کام کو جو کرتا تھا۔ پورا کیا پیدائش ۱/۲۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا بموجب زبور ۹۰/۴ اور پطرس ۲ ع ۳/۸ کے اکبر مسیح اسکی یہ تفسیر کریگا۔ کہ واقعی خدا نے سات ہزار برس کے عرصہ میں صرف آسمان و زمین اور آدم پیدا کیا۔ کیا خوب۔ جو باتیں کسی بشپ نے نہ لکھیں۔ بائبل کی ورسوں کی جو تفاسیر کسی ربی یا راہب کو نہ سوجھیں۔ وہ اکبر مسیح کو معلوم ہوگئیں۔

اور یہ امر کہ ساتواں ہزار شروع نہیں ہوا۔ خیال خام ہے۔ اکبر مسیح نے غور نہیں کیا کہ نامہ نگار مذکور نے کہاں لکھا۔ کہ ساتویں ہزار کے اتنے برس گذر چکے۔ اور اگر وہ ایسی چھوٹی سی بات کو لے کر لوگوں کو دھوکا میں ڈالنا چاہتا ہے۔ تو ہمارا کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص زبور ۹۰/۴ کے اس فقرہ پر۔ کہ ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں۔ جیسے کل کا دن جو گذر گیا۔ اور جیسے ایک پہر رات۔ یہ اعتراض کرے۔ کہ کہاں ایک پورا دن۔ اور کہاں ایک پہر رات۔ اور بالفاظ اکبر مسیح یہ لکھدے۔ کہ ایک دن کو ایک پہر سے وہی نسبت ہے۔ جو گھنٹے کو خیر آباد سے۔ تو پھر اکبر مسیح ایسے معترض کو کیا جواب دیگا۔ پس وہی جواب* ہم اکبر مسیح کو دینگے۔ اور اس امر کا ثبوت جو پوچھتے ہو۔ کہ کیونکر یہ یقین کیا جاسکتا ہے۔ کہ آدم علیہ السلام سے ساتواں ہزار جا رہا ہے۔ تو اس کا ثبوت خود اپنے بزرگوں سے پوچھ لو۔ پھر خواہ انہیں جھٹلاؤ۔ خواہ تسلیم کرلو۔ تمہارا اختیار ہے۔ ع استرھویں صدی

*حاشیہ۔ ہمارے ناظرین خیال کرینگے۔ کہ مسٹر اکبر مسیح کا وہ سنجیدہ مذاق کیا ہے۔ وہ ہم بتلادیتے ہیں۔ وہ سنجیدہ مذاق ٹھٹھابازی اور دشنام دہی وغیرہ ہے۔ اور ٹھٹھاباز کی نسبت داؤد کی کتاب زبور ۱/۱ جو فیصلہ کرتی ہے۔ وہ پوشیدہ نہیں منہ

کے علماء مسیحیت یعنی بشپ آشر اور ڈاکٹر ہیلس کے حساب کے مطابق جو سامریوں کی توریت اور جوزیفس مورخ یہودی سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش ۵۴۱۱ سال قبل مسیح تھی۔ اور اس میں اگر ۱۹۰۶ سال جمع کریں۔ تو پیدائش عالم کو ۷۳۱۷ سال گذر چکے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ یہ دلیل بھی سراسر نامہ نگار مذکور کے مدعا کی تائید کرتی ہے۔

۷۔ بائیبل کے ریفرینس میں خود ان لوگوں نے جو بائیبل کو الہامی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ لکھدیا۔ کہ آدم قبل مسیح ۴۰۰۴ سال پیدا ہوا۔ اگر اس میں ۱۹۰۶ سال جوڑیں۔ تو ۵۹۱۰ سال آدم علیہ السلام سے ہوئے۔ اور اگر شمسی سالوں کو قمری سالوں میں تبدیل کیا جاوے کیونکہ الہامی کتابوں کا حساب قمری مہینوں کے مطابق ہوتا ہے۔ تو پھر اکبر مسیح اور اس کے رفیقوں کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اب ساتواں ہزار شروع ہے۔ اور انہیں اسناد کے رو سے نامہ نگار مذکور نے یہ لکھا تھا۔ مگر اب اکبر مسیح کو کوئی کیا سمجھائے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ اس معاملہ میں ہم کسی بشپ یا ربی کے قول پر صاد کرنے کو تیار نہیں۔ بشپ اور ربی جو محقق لوگ تھے۔ جنہوں نے ہزار تحقیقات اور تفحص کرکے یہ لکھا۔ اسکو اکبر مسیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اسکو تسلیم کرلے۔ تو پھر مرزا صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرنا پڑتا ہے جو عین اپنے وقت پر مبعوث ہوئے اور یہ بات اکبر مسیح اپنی ضد اور بغض کی وجہ سے قبول نہیں کر سکتا۔ پس اسی سبب سے اکبر مسیح ایسی معقول تحقیق کو بلا وجہ ردّ کرتا ہے۔ اور اس سے ہم بھی کچھ مواخذہ نہیں کر سکتے۔ مگر دوسرے مسیحیوں کی تسکین قلب کیواسطے صرف اتنا لکھدیتے ہیں۔ کہ بائیبل کے ریفرینس کے اندر جو تعداد لکھی ہوئی ہے۔ اسکو تاوقتیکہ کوئی بشپ یا ربی یا خود کلیسیا بیہودہ سمجھ کر بائیبل کے ریفرینس سے نہ مٹاوے۔ کوئی ردّ نہیں کر سکتا۔ اور اس وقت تک سب مسیحیوں کو وہی تعداد صحیح تسلیم کرنی پڑیگی۔

مگر نہیں ہم بھول گئے۔ اکبر مسیح بھی اپنی کتاب ضربتہ عیسوی کے صفحہ ۱۳۳ پر ایک وجہ سے اسی امر کو تسلیم کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ یہودی مذہب عرب میں اوائل

یہودیوں کے ساتھ آیا۔ جو پانچویں صدی قبل مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے بھاگ کر آباد ہو گئے تھے۔ اور اپنی دلیل کی تائید میں سر سید احمدؒ کی تصدیق بھی پیش کرتا ہے اب وہ بتاوے۔ اگر یہودیوں۔ عیسائیوں وغیرہ کا یہ حساب غلط تھا۔ جو بائیبل کے ریفرینس میں تحریر ہے۔ تو اس نے اسکو کیوں نقل کیا۔ کیا صرف اس واسطے۔ کہ ضربۃ عیسوی کا ایک اور صفحہ اپنے بیہودہ اعتراض سے سیاہ کر ڈالے۔

اکبر مسیح کہتا ہے۔ کہ اب ریویو کے نامہ نگار کا فرض ہے۔ کہ پہلے وہ کسی دلیل مسلمہ فریقین سے ثابت کرے۔ کہ آدم کی پیدائش کو پورے چھ ہزار برس گذر گئے۔ فریقین کی مسلمہ دلیل تو خود نامہ نگار مذکور نے اول ہی لکھدی تھی۔ اور پھر اب ہم نے بھی نہ صرف دلیل بلکہ دلائل لکھدیئے۔ مگر ہم کو یہ معلوم نہیں۔ کہ فریقین کے لفظ سے اکبر مسیح کی کیا مراد تھی۔ یہودی اور عیسائی فریق تو ہر دو اسکو تسلیم کر چکے ہیں۔ مسلمان بھی مانتے ہیں۔ اب وہ کونسا چوتھا گروہ ہے جسکی تصدیق اکبر مسیح طلب کرتا ہے۔

باقی رہا یہ امر۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ایک دو پیشگوئیوں پر اُس نے چند بیہودہ اور لغو اعتراض بنا کر ڈینگیں لگانی شروع کر دیں۔ مگر تعجب ہے۔ کہ یہ ڈینگیں مارتے وقت اُسکو یہ خیال نہ آیا۔ کہ اگر کوئی معترض مسیح ناصری کی اس پیشگوئی پر جس کا ذکر متی ۱۹/۲۸ میں ہے۔ اعتراض کر کے یہ لکھدے۔ کہ مسیح ناصری کی یہ پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ لہذا وہ نبی نہ تھا۔ بلکہ نعوذ باللہ مفتری علی اللہ تو پھر آپ کیا جواب دے سکتے ہیں۔ کیونکہ بارہ مجوزہ تختوں میں سے ایک تخت یہوداہ اسکریوطی کے لیئے تجویز کیا گیا تھا مگر وہ مرتد ہو گیا۔ اور اگر یہ کہو کہ اسکی جگہ متیاہ کو پطرس رسول نے رسولی خدمت پر مامور کیا اعمال ۱/۲۶ لہذا اسکی جگہ متیاہ تخت نشین ہوا۔ تو سوال یہ ہے۔ کہ متی ۱۹/۲۸ میں جو لکھا ہے کہ تم جو میرے پیچھے ہوئے۔ اس سے مراد یہوداہ بھی تھا۔ کیونکہ ان دنوں وہی ان بارہ کا شمار پورا کرتا تھا۔

رہا تمھارا رسالہ الہامات مرزا مصنفہ ثناء اللہ امرتسری۔ جسکو تم آسمانی صحیفہ خیال کر کے پوچھتے ہو۔ کہ اس کا جواب کیوں نہیں دیا گیا۔ سو اسکا مکمل جواب اور

رد بے شک ہو چکا۔ مگر آپ کو معلوم نہیں۔ تمام مذہبی شائقین اور حق کے طالب جانتے ہیں۔ کہ کتاب آئینہ حق نما مصنفہ شیخ یعقوب علیصاحب ایڈیٹر الحکم میں رسالہ مذکور کا بوجہ احسن رد کیا گیا۔

Digitized by Khilafat Library

پھر اکبر مسیح نامہ نگار مذکور کی اس دلیل پر۔ کہ بموجب استثنا ۱۸/۲۰ و ۲۲ کے جھوٹا نبی ہلاک کیا جائیگا۔ اعتراض کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ اس میں صرف قوم اسرائیل کے قانون فوجداری کا ذکر ہے۔ کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا جرم مستوجب سزائے موت ہے۔ اور یہ کوئی نبی کی نبوت کا معیار شناخت نہیں۔

ہم اکبر مسیح کے الفاظ میں ہی کہتے ہیں۔ کہ ہم کو اکبر مسیح کی سمجھ و فہمید پر افسوس آتا ہے۔ کیونکہ وہ استثنا ۱۸/۲۰ کو بنی اسرائیل کا قانون فوجداری بتا کر یرمیاہ ۱۴/۱۴ کو جھٹلاتا ہے۔ جہاں لکھا ہے۔ تب خداوند نے کہا۔ کہ انبیاء میرا نام لے کے جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ مینے انہیں نہیں بھیجا۔ اور حکم نہیں دیا۔ نہ انہیں کہا۔ وہ جھوٹی رؤیا اور جھوٹا علم غیب اور بے اصل باتیں اور اپنے دلوں کی مکاریاں نبوت کی طرح تم پر ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیئے خداوند یوں کہتا ہے۔ ان نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکر نبوت کرتے ہیں۔ جنہیں مینے نہیں بھیجا۔ اور جو کہتے ہیں۔ کہ تلوار اور کال اس سرزمین پر نہیں ہوگا۔ یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیئے جائینگے۔

پھر ورس ۱۶ کے آخر پر اسکی وجہ بھی بتا دی۔ کہ یہ سب کچھ اس لیئے ہوگا۔ کہ میں انکی برائی انپر ڈالونگا۔ پس اب بھی اگر کوئی عیسائی یہ کہے۔ کہ یہ بنی اسرائیل کا قانون فوجداری ہے۔ تو اسے چاہیئے۔ کہ یرمیاہ ۱۴/۱۴ کو پہلے بائیبل سے نکال ڈالے۔

پھر پطرس ۲ ب ۲ آیات ۱ تا ۱۰ پڑھو۔ جہاں صاف لکھا ہے۔ کہ جھوٹے اُستادوں اور نبیوں کی نسبت جو قدیم سے سزا کا حکم ہو چکا ہے۔ اسکے آنے میں دیر نہ سمجھو۔ اور انکی ہلاکت سوتی نہیں۔ کیونکہ جب خدا نے گناہ کرنے والے فرشتوں کو بھی نہ چھوڑا۔ بلکہ جہنم میں بھیجکر تاریک غاروں میں ڈالدیا۔ تاکہ عدالت کے دن تک حراست میں رہیں اور نہ پہلی دنیا کو چھوڑا۔ بلکہ بیدین دنیا پر طوفان بھیجکر راستبازی کی منادی کرنیوالے

نوحؑ کو مع اور سات آدمیوں کے بچا لیا۔ اور صدوم اور عمورہ کے باشندوں کو خاک سیاہ کر دیا۔ اور انہیں ہلاکت کی سزا دی۔ اور آئندہ زمانے کے بیدینوں کے لیئے جائے عبرت بنا دیا۔

اب اکبر مسیح کا کوئی رفیق بتاوے۔ کہ یہ معیار نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ پھر اکبر مسیح کا یہ لکھنا۔ کہ جھوٹوں کو مہلت ہے۔ کسقدر بے ہودہ اور لغو بات ہے۔ اور کس طرح پطرس $\frac{۲}{۲}$ $\frac{۲}{۱۰ تا ۱}$ اس کا رد کرتا ہے۔ کیا نوح کی قوم اور صدوم اور عمورہ کے لوگوں کو عدالت کے دن ہی سزا ملے گی۔ دنیا پر نہیں ملی۔ یا کیا گناہ کرنے والے فرشتوں کو خدا نے اسی وقت سے جہنم کے تاریک غاروں میں زیر حراست نہیں کر ڈالا۔ پھر کیونکر خدا جھوٹے نبیوں کو دنیا پر سزا نہیں دیتا۔ اور کیونکر استثنا $\frac{۱۸}{۲۰}$ قانون فوجداری ہے۔ کسی طرح معیار شناخت نہیں۔ پس اب اکبر مسیح کے ہمنوا لوگوں کا فرض ہے۔ یا تو وہ یرمیاہ اور پطرس کے ان الہامی صحائف کو بائیبل سے نکال ڈالیں۔ یا خود کو جھوٹے کہیں۔

باقی رہا یہ کہنا۔ کہ بموجب متی $\frac{۲۴}{۱۱}$ کے جھوٹے مسیح بہتیروں کو گمراہ کرینگے اور جھوٹے نبیوں کا حشر چاہے جو کچھ ہو۔ اور ہوا کیا۔ مگر جھوٹے مسیحیوں کا حال ہمیں اوروں سے جدا بتایا گیا۔ کہ وہ بہتیروں کو گمراہ کریں گے۔ سو یہاں پر بھی آپنے ایک قابل شرم جھوٹ بولا۔ کیونکہ متی $\frac{۲۴}{۱۱}$ میں لکھا ہے۔ کہ بہت سے جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہونگے۔ اور بہتیروں کو گمراہ کرینگے۔ پس آپکی یہ تفسیر۔ کہ جھوٹے انبیاء کا خواہ کچھ حشر ہو۔ مگر جھوٹے مسیحیوں کو مہلت دیجائیگی۔ بالکل غلط خیال ہے۔ کیونکہ یہاں لفظ نبی آیا ہے۔ اور خود یسوع مسیح نے نبی اور مسیح کو ایک ہی سمجھا جیسا کہ متی کے مذکورہ مقام سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسکے بعد اکبر مسیح نامہ نگار مذکور کی اس دلیل پر بھی۔ کہ اگر مسیح موعود حضرت مرزا صاحب نے جھوٹا دعوی کیا تھا۔ تو خدائے تعالیٰ نے آپ کو تباہ کیوں نہیں کیا۔ بلکہ آپکے کاروبار اور مساعی کو نہایت خارق عادت کامیابی اور برکت بخشی۔ اعتراض کرتا ہے۔ کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ اگر مرزا نے جھوٹا دعویٰ کیا۔ تو تباہ ہو جائے۔ بلکہ

یہ تباہ نہ ہونا اس امر پر شاہد ہے۔ کہ جھوٹوں کی رسّی دراز کیجاویگی۔ اگر یہ شخص بائیبل کا عہد جدید ہی غور سے پڑھ لیتا۔ تو اسے معلوم ہوگیا ہوتا۔ کہ نامہ نگار مذکور کی دلیل بالکل صحیح اور درست ہے.......... چنانچہ اعمال کی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ جب یہودیوں کی صدر مجلس میں رسول پہلی بار بطور مجرموں کے پیش ہوئے۔ اور یہودیوں نے انہیں حکماً یسوع کے نام کی منادی کرنے سے، روکنا چاہا۔ تو رسول ہرگز ہرگز اس بات کے اقبالی اور قائل نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے بالکل انکار کردیا۔ کہ ہم اس حکم کو قبول نہیں کرسکتے۔ تو وہ یہ سُن کر جل گئے۔ اور انہیں قتل کرنا چاہا مگر گملی ایل ایک ٭ فریسی نے جو شرع کا معلم اور سب لوگوں میں عزت دار تھا۔ عدالت میں کھڑی ہوکر حکم دیا۔ کہ ان آدمیوں کو تھوڑی دیر کے لیئے باہر کردو۔ پھر ان سے کہا۔ کہ اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو۔ ہوشیاری سے کرنا۔ کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیودرس نے اُٹھکر دعویٰ کیا تھا۔ کہ مَیں بھی کچھ ہوں۔ اور تخمیناً چار صد آدمی اس کے ساتھ ہوگئے تھے۔ مگر وہ مارا گیا۔ اور جتنے اس کے ماننے والے تھے۔ سب تتر بتر ہوگئے۔ اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دنوں میں اُٹھا۔ اور کچھ لوگ اپنی طرف کرلیئے وہ ہلاک ہُوا۔ اور جتنے اسکے ماننے والے تھے۔ وہ سب پراگندہ ہوگئے۔ پس اب مَیں تم سے کہتا ہوں۔ کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو۔ اور ان سے کچھ کام نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو۔ کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہُوا۔ تو آپ برباد ہوجائیگا لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے۔ تو تم انکو مغلوب نہ کرسکوگے۔ اعمال $\frac{5}{33}$ تا ۳۹

٭ حاشیہ۔ اکبر مسیح کہتا ہے۔ کہ استثنا $\frac{18}{2}$ قانون فوجداری ہے۔ مگر غور کرنیکا مقام ہے۔ کہ توریت کو اکبر مسیح سے کہیں زیادہ صحیح و درست جاننے اور سمجھنے والا۔ شرع کا معلم۔ معزز گملی ایل یہودی جسکی اس دلیل کو مسیحیوں کے جانی دشمن یہود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بتاتا ہے۔ کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت ہلاک ہوجاتے ہیں۔ مگر اکبر مسیح استثنا کے مذکورہ مقام کو قانون فوجداری بتاکر اپنی نادانی کا ثبوت دیتا ہے کاش اکبر مسیح صاحب پڑھ لیتے۔ کہ یسوع مسیح نے شاگردوں کو حکم دیا تھا کہ فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ جو کچھ وہ تمھیں بتائیں۔ سب عمل میں لاؤ۔ متی $\frac{23}{1}$

اے ناظرین! غور فرمائیے۔ اور سوچیئے۔ کہ گملی ایل جیسے شرع کے معلم اور معزز یہودی فریسی نے یہود کی صدر مجلس میں یہودیوں کو بتایا۔ کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت ہلاک ہوجاتے ہیں اور نہ صرف اپنا خیال یا قیاس ظاہر کیا۔ بلکہ دو مثالیں بھی پیش کر کے بالکل ثابت کر دیا۔ کہ جھوٹے نبی تو بجائے خود۔ جو کوئی کچھ ہونے کا بھی دعویٰ کرے۔ اور خدا پر افترا باندھے۔ تو وہ بھی ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ماننے والے تتر بتر اور پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ ہم اکبر مسیح کے ہمخیال لوگوں پر اتمام حجت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ کس طرح تم گملی ایل سے بڑھکر توریت اور صحف الانبیاء کو سمجھ سکتے اور جان سکتے ہو؟ کیا اگر یہ معیار غلط تھا۔ تو خود اعمال کا لکھنے والا اسپر معترض نہ ہوتا۔ اور اسکی نسبت کچھ تشریح نہ کرتا۔ یا رسول اعتراض نہ کرتے؟ تو کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ رسول چونکہ گملی ایل کی اس بات سے چھوٹ گئے تھے۔ اسلیئے انہوں نے اس جھوٹی دلیل کے خلاف راستی کو پوشیدہ رکھا؟ پھر تعجب ہے۔ کہ اگر یہ دلیل غلط تھی۔ یہود کی شریعت کے خلاف یا عقل کے مخالف تھی۔ تو یہود کی صدر مجلس میں یہودی اسپر کیوں معترض نہ ہوئے۔ کیا یہود رسولوں کے یار و غمخوار تھے؟

ضمیمہ

آخر میں ہم بطور ضمیمہ اکبر مسیح کی مکسوبہ جائداد میں سے ایک رقم ہدیہ ناظرین کر کے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں۔ کہ اس شخص نے اہل تثلیث پر کیسے کیسے اعتراض کیئے۔ اور الوہیت مسیح کے ابطال کے واسطے اس نے یورپ اور امریکہ کے یونیٹرین لوگوں کی کتب سے کیا کچھ سرقہ کر کے یہ ثابت کیا۔ کہ الوہیت مسیح ایک بالکل باطل عقیدہ ہے۔ اور ابطال الوہیت مسیح اور تائید التنقیح دو رسالے کیسے شائع کیئے تھے۔ افسوس اب یہ ہر دو رسالے نہیں ملتے۔ اگرچہ ان رسالہ جات کے مضامین کی ایک سطر میں بھی کوئی نئے معلومات نہیں تھے یعنی پرانی ابحاث کا خاکہ کھینچا ہُوا تھا۔ اور صرف دوسرے محققین کی تحقیقات کو اکبر مسیح نے اپنے قلم سے اردو میں لکھا تھا۔ مگر تاہم یہ ضرور کہنا پڑتا ہے۔ کہ الوہیت مسیح کا بطلان دیسی مسیحیوں کے روبرو سب سے پہلے اکبر مسیح نے ثابت کیا۔ اور ہم بھی اس امر میں اسکے مداح ہیں۔ اور اگر اُسکے دو ایک بعض ہمخیال

بھی جو در اصل مشن کی ملازمت کی وجہ سے بظاہر الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ مگر باطنی طور سے یونیٹیرین ہیں۔ ہمت کر کے اس میدان میں آئیں۔ تو کم از کم اکبر مسیح کی یادگار ہمیشہ تازہ رہے اکبر مسیح نے رسالہ ابطال الوہیت مسیح میں ایک نوٹ لکھا تھا جسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :-

نمبر (۱) انجیل میں ۱۳۲۶ - آیات میں خدا کا مذکور اس طرح آیا ہے۔ کہ ان میں ایک بھی ایسی نہیں جس سے کثرت فی الوحدت ثابت ہو سکے۔

نمبر (۲) جن آیات میں باپ کو ایک اور اکیلا کہا ہے۔ انکی تعداد سترہ ۱۷ ہے۔

نمبر (۳) جن آیات میں باپ کو خدا کا لقب مطلقاً بہ اعتبار بزرگی و جلال کے دیا ہے۔ انکی کل تعداد سہ صد بیس ۳۲۰ ہے۔

نمبر (۴) جن آیات میں باپ کو خدا کہا۔ اور ساتھ ہی اس کے مخصوص القاب و خطاب و صفات کا تذکرہ آیا۔ جس طرح بیٹے کا تذکرہ نہیں آیا۔ انکی کل تعداد ایک صد پانچ ۱۰۵ ہے۔

نمبر (۵) جن آیات میں یہ لکھا ہے۔ کہ تمام دعا و حمد باپ ہی کی خدمت میں کرنا لازم ہے اور عزت و جلال مطلقاً اسی کو سزاوار ہے ان کی تعداد نوے ۹۰ ہے۔

نمبر (۶) مسیح یسوع کو ایک صد بیس ۱۲۰ جگہ بیٹا کہا گیا ہے۔

نمبر (۷) چھپن ۵۶ جگہ مسیح کو خدا کا بھیجا ہوا (رسول) لکھا ہے۔

نمبر (۸) چھیاسی ۸۶ جگہ مسیح کو ابن آدم لکھا ہے۔

نمبر (۹) بہتر ۷۲ جگہ آدمی کہا گیا ہے۔

عبد الخالق نومسلم از قادیان

بائیبل کی پیشگوئیاں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

ان الذین اٰتینھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم وان فریقاً منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون (بقرہ - آیت ۱۴۲)

(ترجمہ) جن کو ہم نے کتاب کا علم دیا ہے وہ اس نبی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ایک گروہ انمیں سے جان بوجھکر حق کو چھپاتے ہیں۔

جب ہم یہودیوں اور مسیحیوں کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مضمون آیت مندرجہ بالا کی صداقت ہم پر واضح ہو جاتی ہے کیونکہ ہم ان میں بہت سی ایسی پیشگوئیاں دیکھتے ہیں جو بڑی صراحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں اور اس میں ذرا بھی شک باقی نہیں رہتا کہ جس نبی کی نسبت بائیبل کی بہت سی پیشگوئیوں میں خبر دی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

ذیل میں ہم بائیبل کی بعض پیشگوئیوں کو نقل کر کے ناظرین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ انصاف سے انپر غور کریں اور دیکھیں کہ آیا کھلے طور پر پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہیں یا نہیں۔

اناجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام یہودیوں میں پیدا ہوئے تو اسوقت بنی اسرائیل تین نبیوں کی آمد کے منتظر تھے۔ اور انکا یہ انتظار ان پیشگوئیوں پر مبنی تھا جو انکی کتب مقدسہ میں موجود تھیں۔

یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے:۔

"یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اُس (حضرت یحییٰ علیہ السلام) سے پوچھیں کہ تُو کون ہے اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ مَیں مسیح نہیں ہوں۔ تب اُنہوں نے اُس سے پوچھا تو اور کون ہے۔ کیا تُو الیاس ہے۔ اُس نے کہا مَیں نہیں ہوں۔ پس آیا تُو وہ نبی ہے۔ اُس نے جواب دیا نہیں۔ ...... اور اُنہوں نے اُس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ الیاس اور نہ وہ نبی۔ پس کیوں بپتسمہ دیتا ہے؟"

ان سوالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہودی تین الگ الگ نبیوں کی آمد کے منتظر تھے۔ ایک حضرت مسیح علیہ السلام کے۔ ایک حضرت الیاس علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے۔ اور ایک اُس نبی کے جو اِن دونوں سے بالکل الگ تھا

اور جو کوئی معمولی نبی نہ تھا بلکہ ایک عظیم الشان نبی تھا جس کی آمد کے متعلق اُن میں اسقدر شہرت تھی کہ مخاطب کو سمجھانے کے لیئے صرف اُسکی طرف اشارہ کرنا ہی کافی تھا۔ اور اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ایسا معروف نبی تھا اور ہر ایک شخص اُسکی پیشگوئی سے ایسا آگاہ تھا کہ اُسکی طرف اشارہ کرنے کے لیئے صرف وہ نبی ہی کہنا کافی تھا۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ بائیبل میں وہ کونسی پیشگوئی ہے جو حضرت الیاسؑ کی دوبارہ آمد اور حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ اس تیسرے مشہور و معروف نبی کی خبر دیتی تھی۔ تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس نبی کی پیشگوئی جسکو عبارت مندرجہ بالا میں وہ نبی کہکر پکارا گیا ہے کتاب استثناء باب ۱۸ میں مندرج ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

"خداوند تیرا خدا تیرے لیئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اُس کی طرف کان دھریو۔ اُس سب کی مانند جو تُو نے خداوند اپنے خدا سے جواب میں جمع کے دن مانگا اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ میں پھر دیکھوں تا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں اُنکے لیئے اُنکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ سب اُن سے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سُنیگا تو میں اُسکا حساب اُس سے لونگا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے جسکے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا تو وہ نبی مر جائے گا۔✤ اور اگر تُو اپنے دل میں کہے

✤ اُردو بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ نبی قتل کیا جاوے مگر یہ غلط ترجمہ ہے اصل عبرانی میں قتل کیا جانیکا لفظ نہیں بلکہ یموت کا لفظ ہے جس کے معنے قتل کیا جانے کے نہیں بلکہ

کہ مَیں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں۔ تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اُس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اُس سے مت ڈر۔"

مندرجہ بالا پیشگوئی میں یہ الفاظ "ایسا نہ ہو کہ مَیں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں" خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ایک مثیلِ موسیٰ کی آمد کی خبر دیتے وقت بنی اسرائیل کی قوم کو اُنکا وہ انکار یاد دلاتا ہے جو انہوں نے خداوند کی آواز سُننے سے کیا تھا۔ کیا خدائے تعالیٰ اُنکے اِس انکار سے خوش ہُوا تھا۔ ہرگز نہیں۔ انکے یہ کلمات کہ ہم خداوند کی آواز کو سُننا نہیں چاہتے بڑی گستاخی کے کلمات ہیں۔ اور یہ گستاخی کے کلمات اُنہوں نے اسوقت بولے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کوہِ سینا پر نازل ہو رہی تھی۔ خدا نے اُنکے اس انکار کے جواب میں فرمایا "انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا" خدائے تعالیٰ کا یہ جواب ظاہر کرتا ہے کہ اُنکے اس قول کی وجہ سے خدائے تعالیٰ اُنپر ناراض ہُوا اور خدائے تعالیٰ نے ارادہ کر لیا کہ اُنکے اس قول کی اُنکو سزا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قومِ بنی اسرائیل کو آنے والے نبی کے متعلق خبر دیتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل (یعنی اُنکی طرح صاحبِ شریعت) ہونیوالا تھا اور جو بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے پیدا ہونیوالا تھا تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ اُس سب کی مانند ہے جو بنی اسرائیل نے خداوند سے حورب میں مجمع کے دن مانگا تھا۔ بنی اسرائیل نے کیا مانگا تھا یہی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ "تو ہی ہم سے بول۔ اور ہم

بقیہ حاشیہ - مرنے کے ہیں۔ یعنی ایسا نبی مر جائیگا۔ اور اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ جھوٹا نبی ایسی ناکامی کی موت مریگا جس سے صادق اور کاذب میں فرق ہو جائے ورنہ یوں تو تمام لوگ آخر مرتے ہی ہیں۔ مگر سچے نبی کامیابی کے بعد اس دنیا سے رحلت کرتے ہیں اور جھوٹے نبی ناکامی کی حسرت اپنے ساتھ لیکر جاتے ہیں اور اُنکی موت ایسی رنگ اور ایسے وقت میں ہوتی ہے کہ لوگ انکی نسبت یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص ناکامی کے ساتھ اس دنیا سے اُٹھا لیا گیا ہے۔ اس مضمون کے متعلق مفصل بحث کیلئے دیکھو اس سے ماقبل کا مضمون۔ منہ

سُنیں۔ لیکن خدا ہم سے نہ بولے۔" انہوں نے یہ کلمات اُسوقت بولے جبکہ کوہ سینا پر شریعت نازل ہو رہی تھی اور خدائے تعالیٰ کا جلال کوہ سینا پر ظاہر ہو رہا تھا۔ خطرناک بجلی چمک رہی تھی اور مہیب آوازیں آرہی تھیں۔ جسے دیکھکر بنی اسرائیل جو خدائے تعالیٰ سے عہد باندھنے کے لیئے خیموں سے باہر نکلکر دامن کوہ میں کھڑے تھے ڈر گئے اور اُنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم اس کلام کو نہیں سُنتے تُو خدا سے سُنکر ہمیں سُنا دیا کر۔ ہم ڈرتے ہیں کہ اس کلام کو سُنکر کہیں مر نہ جائیں (خروج ۲۰ : ۱۹)۔ اسپر خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے اچھا کہا ہے۔ جب تک یہ ان احکام پر کاربند ہونگے برکت پائیں گے۔ لیکن آیندہ جب کوئی نبی تیری مانند کھڑا کیا جائے گا (یعنی صاحب شریعت ہوگا) تو وہ اُنکے بھائیوں میں سے ہوگا (یعنی ان میں سے نہ ہوگا)۔

اس پیشگوئی میں تمھارے بھائیوں سے مراد یقیناً بنی اسمٰعیل ہیں نہ بنی اسرائیل اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُنکی وہ بات یاد دلائی ہے جو کہ اُنہوں نے کوہ سینا پر شریعت کے نازل ہونے کیوقت کہی تھی یعنی یہ ہم خدائے تعالیٰ کا کلام سُننا نہیں چاہتے۔ انکی اس بات سے خداوند ناراض ہوا اور اُس نے فرمایا کہ جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے اچھا کہا ہے۔ آیندہ انکے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا اور دوسرا نبی جب آئیگا تو وہ انکے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہاں تمھارے بھائیوں سے مراد بنی اسرائیل نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر بنی اسرائیل مراد لیئے جاویں تو سارا کلام لغو ہو جاتا ہے۔ گویا اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہونگے کہ چونکہ تم نے موسیٰؑ پر شریعت نازل ہوتے وقت خدا کا کلام سُننے سے بہت گستاخی کے ساتھ انکار کیا ہے۔ اسلیئے آیندہ جو موسیٰؑ جیسا نبی یعنی صاحب شریعت نبی مبعوث کیا جائیگا تو وہ تم ہی میں سے ہوگا۔ ایسا بیہودہ کلام تو ایک معمولی عقل کے انسان کی طرف بھی منسوب نہیں ہو سکتا۔ پس خدائے حکیم کی طرف ایسا لغو کلام کس طرح منسوب ہو سکتا ہے۔ کیا ایسے فعل کا نام سزا ہو سکتا ہے۔ یہ تو اعلیٰ درجہ کا

انعام ہے۔ حالانکہ یہاں تو خدائے تعالیٰ اپنی ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ آئندہ جو موسیٰ جیسا نبی آئیگا وہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا (یعنی تم میں سے نہیں ہوگا) اور ایسا اس لیئے ہوگا کہ تم نے پہلے موسیٰ کے وقت شریعت کا کلام سننے سے بڑی بے ادبی سے انکار کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں **تمہارے بھائیوں** سے بنی اسرائیل ہرگز مراد نہیں لیئے جا سکتے بلکہ کوئی اور قوم جو بنی اسرائیل کے بھائی کہلا سکتی ہے مراد ہے۔ غرض ناراضگی کا اظہار اور بنی اسرائیل کو انکا وہ قول یاد دلانا جو انہوں نے شریعت موسوی کے نزول کے وقت کہا یعنی ہم خدا کا کلام سننا نہیں چاہتے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں اس بات کی قوی اور قطعی دلیل ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ بنی اسمٰعیل ہیں۔

ایک اور امر بھی یہاں قابل ذکر ہے استثناء باب ۱۸ ورس ۱۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"خداوند تیرا (یعنی قوم بنی اسرائیل کا) خدا تیرے لیئے **تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے** میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اسکی طرف کان دھریو" اور پھر آگے چلکر ورس ۱۷ و ۱۸ میں فرماتے ہیں۔ "خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لیئے انکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا" یعنی ورس ۱۵ میں تو کہا گیا ہے کہ "تیرے ہی درمیان سے تیرے (قوم بنی اسرائیل کے) بھائیوں سے" اور ورس ۱۸ میں صرف "تیرے بھائیوں میں سے" کہا گیا ہے۔ "تیرے ہی درمیان سے" نہیں کہا گیا۔

اب میں ناظرین کی توجہ اس طرف پھیرتا ہوں کہ وہ دیکھیں کہ پہلے الفاظ یعنی ورس ۱۵ کے الفاظ کس کی طرف سے ہیں اور دوسرے الفاظ یعنی ورس ۱۸ کی عبارت کس کی طرف سے ہے۔ وہ ان دونوں ورسوں کو پڑھکر معلوم کرینگے کہ پہلا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا کلام ہے اور دوسرا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا نہیں بلکہ وہ خدا کا کلام ہے۔ یعنی پیشگوئی کے اصل الفاظ وہ ہیں جو ورس ۱۸ میں درج ہیں۔ ورس ۱۵

کے الفاظ اصل پیشگوئی کے الفاظ نہیں۔ اور نہایت ہی عجیب بات یہ ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیشگوئی کے اصل الفاظ یعنی وہ کلام جو خدائے تعالیٰ نے انپر نازل کیا نقل کرتے ہیں تو وہاں تیرے ہی درمیان سے کے الفاظ بیان نہیں کرتے بلکہ صرف تیرے بھائیوں میں سے کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہُوا کہ خدا کے کلام میں تیرے ہی درمیان سے کے الفاظ نہ تھے۔ پس ہمارا فرض صرف یہ ہے کہ ہم اصل پیشگوئی کے الفاظ کو لیں جو خدا کے مُنہ سے نکلے۔ کیونکہ عالم الغیب ہستی وہی ہے۔ اُس کے سوا کوئی اور وجود خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو عالم الغیب نہیں۔ نبی کا صحیح علم غیب کے متعلق صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنا خدائے تعالیٰ اسپر ظاہر کرتا ہے۔ اس سے زیادہ اُسکو کچھ علم غیب کے متعلق نہیں ہوتا۔ اسلیئے پیشگوئیوں پر غور کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ پیشگوئی کے اصل الفاظ ہمارے سامنے موجود ہوں۔ اگر ایک بات خدا کے کلام میں نہیں تو ہم اسکو پیشگوئی میں شامل نہیں سمجھ سکتے پس اس پیشگوئی پر غور کرتے وقت بھی ہمارے لیئے یہ ضروری ہے کہ ہم خدا کے کلام کو دیکھیں اگر پیشگوئی خدا کے کلام کے مطابق پوری ہوجائے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پیشگوئی کی صداقت پر ایمان لائیں۔ اور اگر کوئی ایسی بات پوری نہ ہو جو خدا کے کلام میں نہیں تو اس سے پیشگوئی کی عظمت کم نہیں ہوتی۔ خداوند کی بات پوری ہوگئی اور پیشگوئی سچی ثابت ہوئی یہ نہایت خوشی کا مقام ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ اصل الفاظ جو خداوند سے بذریعہ وحی اُنپر نازل کیئے تھے بیان فرمادیئے ہیں۔ پس ہم اس پیشگوئی پر غور کرتے ہوئے خداوند کے اصل کلام کو لینگے اور اگر کوئی ایسی بات ہے جو خداوند کے کلام میں نہیں تو خداوند اُس کا ذمہ وار نہیں۔ اور اوپر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے الفاظ اور اس وحی کے کلمات کا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی مقابلہ کرکے دکھا چکا ہوں کہ یہ الفاظ کہ تیرے ہی درمیان سے وہ موعود نبی ہوگا خداوند کے کلام میں نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں ہیں اسلیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان پر جو عالم الغیب نہیں تھے خداوند کے کلام کو ہم ترجیح دینگے۔ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہ لفظ نہ بولے ہوں بلکہ کسی اور شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں یہ لفظ لگا دیئے ہوں مگر خواہ کچھ ہی ہو ہم

مندرجہ ذیل وجوہات سے ان الفاظ کو قبول نہیں کر سکتے۔

۱۔ خدا کے کلام میں جو ورس ۱۸ میں درج ہے یہ الفاظ موجود نہیں اور اصل پیشگوئی وہی ہے جو خدا کے کلام میں بیان کی گئی۔

۲۔ سیاق سباق ظاہر کر رہا ہے کہ وہ موعود نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ یہاں خداوند بنی اسرائیل پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ چونکہ خود انہوں نے شریعت کا وہ کلام سُننے سے انکار کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ اس لیئے انکو یہ سزا دی جاتی ہے کہ آئندہ انپر شریعت کا دروازہ بند کیا جاتا ہے جب دوسرا موسیٰ پیدا ہوگا تو وہ اُنکے بھائیوں میں سے ہوگا۔ چونکہ یہاں سزا کا ذکر ہے اور بنی اسرائیل کے شریعت کا کلام سُننے سے انکار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسلیئے کسی طرح یہ کہنا درست نہیں کہ وہ موعود نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا ہونا چاہیئے تھا۔

۳۔ "تیرے (بنی اسرائیل کے) درمیان ہی سے" کے ساتھ "تیرے بھائیوں میں سے" کے الفاظ لگانے بالکل بے معنی ہیں۔ جب اس کلام کے سب بنی اسرائیل مخاطب تھے تو پھر تم میں سے یہ کہکر تمہارے بھائیوں میں سے کہنا لغو تھا۔ ہاں ایک صورت میں اس عبارت کے معنے معقول بن سکتے ہیں۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ نبی موعود ہو تو بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے لیکن اُسکی بود و باش قوم بنی اسرائیل کے درمیان بھی ہو۔ اور یہ تشریح واقعات کے مطابق بھی ہے کیونکہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے۔ مگر اُنکو ایک ایسے شہر میں ہجرت کرنی پڑی جہاں بہت سے یہودی قبائل آباد تھے اور ان بنی اسرائیل کے درمیان وہ دس سال رہ کر تبلیغ فرماتے رہے۔

اگرچہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے پیدا ہُوا مگر چونکہ قوم بنی اسرائیل کو اس نبی کے ساتھ خاص تعلق تھا اور انکے لیئے خاص ہدایت جاری کی گئی تھی کہ وہ اسکی باتوں پر کان دھریں اور اسکو قبول کر کے اُسکی اتباع اختیار کریں اسلیئے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قیاس سے یا اعلام الٰہی سے اس نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ اگرچہ نسل کے لحاظ سے نبی موعود بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا مگر اُنکی قوم

یعنی بنی اسرائیل کے درمیان بھی اُس کا ظہور ہوگا۔ اس لیئے انہوں نے اپنی قوم کو ہدایت دی کہ جب وہ اسمٰعیلی النسل نبی تمہارے درمیان کھڑا ہو تو تم اُسکو قبول کرنا۔ اس صورت میں ”تیرے درمیان سے“ کی بجائے ”تیرے درمیان میں“ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ غرض خواہ ان الفاظ کی ہم کوئی تاویل کریں یا انکو چھوڑ دیں۔ اس پیشگوئی کے یہ معنے کسی صورت میں نہیں ہو سکتے کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے نبی کا کھڑا کرنا تو سزا کے طور پر تھا۔ اگر مثیل موسیٰ انہی میں سے ہوتا تو سزا نہ رہتی۔

علاوہ ازیں واقعات بھی یہی ثابت کر رہے ہیں کہ پیشگوئی زیر بحث میں تیری (قوم اسرائیل کے) بھائیوں سے مراد بنی اسمٰعیل ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی حضرت موسیٰؑ کی مانند صاحب شریعت نبی پیدا نہیں ہوا ہاں بنی اسمٰعیل میں ایسا نبی پیدا ہوا اور تاریخ گواہی دیتی ہے کہ جس قوم میں یہ نبی پیدا ہوا وہ بنی اسرائیل کے بھائی ہیں پس ثابت ہوا کہ پیشگوئی زیر بحث میں تیرے (قوم بنی اسرائیل کے) بھائیوں سے مراد بنی اسمٰعیل ہی تھے۔ اگر یہ درست نہیں تو اُس نبی کا نشان بتایا جاوے جسکو حضرت موسیٰؑ کی مانند شریعت دی گئی اور بنی اسمٰعیل میں سے نہیں بلکہ بنی اسرائیل میں سے وہ نبی پیدا ہوا۔ جب کسی اور ایسے نبی کا پتہ نہیں دیا جاتا جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوا ہو اور جو حضرت موسیٰؑ کی مانند صاحبِ شریعت ہو اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل میں ایک نبی پیدا ہوا جو حضرت موسیٰؑ کی مانند صاحبِ شریعت تھا تو پھر سوائے تعصب اور ضد کے اور کونسی چیز ہے جو ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنے سے روک سکے کہ تیرے (بنی اسرائیل کے) بھائیوں سے مراد بنی اسمٰعیل ہیں جو فی الواقع حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔

پھر ایک اور دلیل جو ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے کہ پیشگوئی زیر بحث کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ ہے کہ جو الہامی کتاب اس

اسمٰعیلی نبی پر نازل ہوئی وہ اس بات کی مدعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں اور کہ جس مثیلِ موسیٰ کی خبر دی گئی تھی اُس کے مصداق یہی اسمٰعیلی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔ یعنی ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تمھارے اوپر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ اس آیۂ کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ کی مانند ایک رسول قرار دیا گیا ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف پیشگوئی زیر بحث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں بطور شہادت کے پیش کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وشھد شاھد من بنی اسرائیل علےٰ مثلہ (احقاف) یعنی بنی اسرائیل کے ایک گواہی دینے والے نے اپنے ایک مثیل کی نسبت گواہی دی ہے۔ بنی اسرائیل میں سے وہ کون گواہی دینے والا ہے جس نے اپنے ایک مثیل کی نسبت گواہی دی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ گواہی دینے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جنھوں نے اس امر کی خبر دی کہ ایک نبی انکی مانند بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے کھڑا کیا جاوے گا۔ پس قرآن شریف اس پیشگوئی کی طرف اشارہ فرما کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ غرض قرآن شریف کھلے الفاظ میں یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ کی مانند ایک نبی ہیں اور پھر حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہراتا ہے۔ مگر قرآن شریف کے مقابل میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس نے اپنے نبی کو حضرت موسیٰؑ کا مثیل قرار دیا ہو اور جس نے خصوصیت کے ساتھ مثیل موسیٰؑ والی پیشگوئی کا اپنے نبی کو مصداق ٹھہرایا ہو۔ اسلیئے جو لوگ اس پیشگوئی کو کسی دوسرے نبی پر لگاتے ہیں وہ اپنے تئیں مدعی سست گواہ چست کے مقولہ کے مصداق بناتے ہیں۔

اور پھر یہی نہیں کہ قرآن شریف کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جسقدر نبی آئے۔ اُنہیں صرف ایک ہی نبی ایسا ہے

جو نہ صرف مثیل موسیٰؑ ہونے کا مدعی ہے اور مثیلِ موسیٰؑ کی پیشگوئی کو اپنے اوپر چسپاں کرتا ہے بلکہ حالات کے رُو سے بھی صرف وہی ایک نبی ہے جو مثیلِ موسیٰؑ کہلانے کا حقدار ہے۔ جب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہیں تو تین بڑی خصوصیات ہمیں نظر آتی ہیں جو دوسرے انبیاءؑ سے انکو ممتاز کرتی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ صاحبِ شریعت نبی تھے۔ دوم یہ کہ اُنھوں نے اپنی قوم کو دشمن کے طرح طرح کے مظالم سے نجات دی اور انکا ظالم دشمن اُنکی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگیا اور آخر وہی قوم جو ایک وقت میں دشمن کی بیرحمی کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی دنیا میں معزز ہو کر بادشاہ ہوگئی۔ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سلسلہ کے بانی ہوئے جسکے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ جب ہم ان تین خصوصیات کو کسی اور نبی میں ڈھونڈتے ہیں تو سوائے ایک نبی کے دنیا کے کسی اور نبی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ تینوں خصوصیتیں جمع ہوئی نظر نہیں آتیں اور وہ اکیلا نبی جسمیں یہ تینوں خصوصیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت زیادہ اعلیٰ و اکمل و اتم پیمانہ پر جمع ہیں وہ وہی نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ اور ان تینوں امور میں انکی مماثلت ایسی واضح اور بیّن ہے کہ اسکے بیان کرنیکی بھی حاجت نہیں۔ ان خصوصیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت روز روشن کی طرح درخشاں ہے جسکو ہر ایک آدمی بغیر کسی دوسرے کی مدد کے خود ہی دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک صاحبِ شریعت نبی تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب شریعت نبی تھے۔ پھر جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اُنکی قوم نے ظالم فرعون اور اسکے متکبر ساتھیوں کے جور و ستم سے نجات حاصل کی اور اُنکا دشمن ایک بحر میں اُنکی آنکھوں کے سامنے غرق ہوا اور آخر وہی قوم ارض مقدسہ کی بادشاہ ہوگئی اور اُنہیں بڑے بڑے فرماں روا پیدا ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو ابوجہل (جسکو آپ نے اپنی اُمت کا فرعون قرار دیا) اور اُسکے پُر رعونت رفیقوں کے دکھوں اور اذیتوں سے نجات دی اور یہ لوگ صحابہ کی آنکھوں کے سامنے بدر کے مقام پر خشکی میں غرق ہوگئے (تعجب ہے

کہ اس علاقہ کا نام بھی جہاں ابوجہل اور اُسکے ساتھی ہلاک ہوئے قدرت نے بحر ہی رکھا ہُوا تھا تا لفظی طور پر بھی مشابہت پوری ہو جاوے) اور صحابہ آخر ملکوں کے بادشاہ ہوئے اور اُن کی اولاد میں سے بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہ پیدا ہوئے۔ اِس مشابہت میں یہ امر ذکر کے قابل ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعون کے ظلموں سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق ملک مصر سے ہجرت اختیار کی مگر اس سے فرعون کا جوش اور بھی بھڑکا اور اُس نے قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ آخر راستہ میں ایک بحر میں مع اپنے رفیقوں کے ہلاک ہُوا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے ابوجہل اور اُسکے ساتھیوں کے ظلموں سے نجات حاصل کرنیکے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنے شہر مکہ سے ہجرت اختیار کی مگر اس سے ابوجہل کا غضب اور بھی بھڑکا اور اُس نے فرعون کی طرح ایک لشکر تیار کر کے مسلمانوں کے مقام ہجرت کی طرف چڑھائی کی اور ایک ایسے موقعہ پر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے ایک بحر میں مع اپنے ساتھیوں کے صحابہؓ کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو گیا۔ فرعون تو پانی میں غرق ہُوا تھا مگر ابوجہل خشکی میں ہی غرق ہُوا۔ اُسکی اور اُسکے ہمراہیوں کی لاشیں ایک پرانے کوئیں میں پھینک دی گئیں تا پانی کی مشابہت بھی پوری ہو جاوے۔

تیسرے امر میں بھی مشابہت بالکل صاف اور بیّن ہے۔ کیونکہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سلسلہ کے بانی ہوئے جسکے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائے ایسا ہی اس موسوی سلسلہ کے مقابل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک سلسلہ کے بانی ہوئے اور انہوں نے بھی آخر زمانہ میں ایک مسیحؑ کی آمد کی خبر دی اور اس صدی نے اس مماثلت پر مُہر کر دی کیونکہ جیسے موسوی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ٹھیک ۱۳۰۰ سال* بعد حضرت مسیح ناصریؑ

* مغربی محققین نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ٹھیک ۱۳۰۰ سال بعد آئے۔ دیکھو کتاب ہسٹری آف دی نیشنز۔ یہ تحقیقات حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک تازہ ثبوت ہے کیونکہ اس سے حضرت مسیح موعودؑ کی مماثلت حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے زمانہ کے لحاظ سے بھی کامل طور پر ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ٹھیک ۱۳ سو سال بعد تشریف لائے ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھیک ۱۳ سو سال بعد مبعوث ہوئے۔ منہ

تشریف لائے ایسا ہی اس محمدی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھیک ۱۳۰۰ سال مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔

غرض ہر امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اکمل و اتم طور پر نظر آتی ہے اسلیئے اس امر میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ کتاب استثناء باب ۱۸ ورس ۱۸ کے الفاظ کہ "میں اُنکے لیئے اُنکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت ہی یقینی طور پر صادق آتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی اور ایسا نبی پیدا نہیں ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل کہلا سکے۔

ایسا ہی اس پیشگوئی کے دوسرے الفاظ بھی صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اس پیشگوئی کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً اس پیشگوئی میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا" یہ الفاظ بھی صریحاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ جیسی صفائی سے یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں کسی اور نبی پر صادق نہیں آتے۔ وہ کلام اب بھی دنیا میں موجود ہے جو خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ میں ڈالا۔ وہ کلام ۲۳ سال کے عرصہ میں بتدریج نازل ہوتا رہا اور اب وہ ایک کتاب کی شکل میں محفوظ ہے جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اور تعجب ہے کہ جیسے واقعات اس پیشگوئی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کرتے ہیں ایسا ہی قرآن شریف صریح الفاظ میں اس بات کا مدعی ہے کہ پیشگوئی زیر بحث کی تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں۔ چنانچہ اسی امر کی تصدیق میں کہ میں اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا قرآن شریف فرماتا ہے وما ینطق عن الھویٰ۔ ان ھو الا وحی یوحی۔ یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے جو اسکی طرف وحی کیا جاتا ہے یعنی جو کلام یہ نبی تمھیں سُناتا ہی یہ اسکا اپنا کلام نہیں بلکہ یہ خدا کا کلام ہے جو اسکے مُنہ میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت بھی جیسی نمایاں طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہی حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نہیں پائی جاتی ایسا ہی اس موعود نبی کی نسبت لکھا تھا کہ "اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہیگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور

... ... آپ نے اپنی وفات

سے پہلے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تمام لوگوں کے سامنے بلند آواز سے پکار کر فرمایا۔ الا ھل بلّغت۔ تمام لوگوں نے شہادت دی اور آپ نے فرمایا کہ اے خدا تو گواہ رہ کہ جو کچھ تو نے مجھے فرمایا وہ سب میں نے ان لوگوں کو پہنچا دیا۔ مگر حضرت مسیح نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ ابھی بہت سی باتیں ہیں جو میں نے تم سے کہنی تھیں مگر ابھی تم میں ان باتوں کے سننے کی برداشت نہیں جب سچائی کی روح میرے بعد آئیگی تو تمام صداقتیں بیان کریگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک ایسی بشارت دی جو پہلی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی یعنی یہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ اور جیسے پیشگوئی کے دوسرے حصوں کی طرف قرآن شریف میں صریح اشارے موجود ہیں۔ اسی طرح پیشگوئی کے اس حصہ کے متعلق بھی کہ ”جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب انسے کہیگا“ صریح اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے بلّغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ یعنی اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا وہ لوگوں کو پہنچا دے اور اگر تو ایسا نہیں کریگا تو تو خدا کے پیغام کو نہیں پہنچائیگا۔ دوسری جگہ فرمایا فاصدع بما تؤمر یعنی جو حکم تجھے دیا جاتا ہے اسکو کھولکر بیان کردو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی پورے طور پر تعمیل فرمادی جیسا کہ جب انہوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنی قوم سے یہ سوال کیا کہ کیا میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں کو پہنچا دیا ہے یا نہ تو سب نے گواہی دی کہ بے شک آپ نے خدائے تعالیٰ کا پیغام ہمیں پہنچا دیا ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ اے خدا تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا ہے۔ پس آپ اس فرض سے بھی پورے طور پر سبکدوش ہو گئے اور خدا کا وہ کلام جس میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ”جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب انسے کہیگا“ لفظ بہ لفظ آپ پر صادق آیا۔

پھر اس پیشگوئی میں نبی موعودؐ کی نسبت لکھا ہے ”اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سنیگا تو میں اسکا حساب اس سے لونگا“ پیشگوئی کے یہ الفاظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ لفظ بہ لفظ صادق آتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو جو آپ نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے انکو کہیں قبول نہ کیا تو خدائے تعالیٰ نے

انکو سزا دی چنانچہ مدینہ منورہ کے یہودی قبائل نے اس سزا کا خوب مزہ چکھا۔ اور پھر میں کہتا ہوں کہ جیسا اس پیشگوئی کے دوسرے حصوں کی نسبت قرآن شریف نے گواہی دی ہے ایسا ہی اس حصہ کے متعلق بھی قرآن شریف کی گواہی موجود ہے قرآن شریف میں کثرت سے ایسی آیات موجود ہیں جنمیں بطور پیشگوئی کے یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص اس نبی کو قبول نہیں کریگا اور اس کا مقابلہ کریگا۔ اُسکو اسی دنیا میں سزا دیجائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

خدائے تعالیٰ نے اس عظیم الشان نبی کی آمد کی خبر دیتے ہوئے نہ صرف ایسی علامات کو بیان کیا ہے جو اس موعود نبی میں پائی جانی ضروری تھیں بلکہ لوگوں کی مزید رہنمائی کے لیئے ایک معیار بھی بیان کیا ہے جس سے سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹے طور پر نبی ہونیکا دعویٰ کرے اور خدائے تعالیٰ کی طرف ایسی بات کو منسوب کرے جو خدائے تعالیٰ نے اُسکو نہیں فرمائی۔ یعنی وہ یہ کہے کہ فلاں کلام خدا کی طرف سے مجھے الہام کیا گیا ہے حالانکہ وہ کلام خدا کی طرف سے نہ ہو بلکہ اُس نے خود تجویز کیا ہو اور وہ اپنی طرف سے جھوٹی وحی بنا کر شائع کرے تو ایسے نبی کو خدائے تعالیٰ ہلاک کر دیگا۔ یہ ایسا معیار تھا کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت بڑی آسانی سے پرکھی جا سکتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر ۲۳ سال تک اس بات کا دعویٰ کرتے رہے کہ مجھ پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے اور نہ صرف دعویٰ کیا بلکہ اُس کلام کو لوگوں کے آگے برابر پیش کرتے رہے اور لوگوں کو یاد کراتے رہے اور کاتبوں سے قلمبند کرواتے رہے اور آخر وہ ایک کتاب بن گئی اور اسکے ایک ایک لفظ کا نام آپنے وحی رکھا مگر باوجود اسکے خدائے تعالیٰ اُنکو ترقی دیتا گیا اور وہ کامیاب ہوگئے اور اُنکے دشمنوں کو قرآنی پیشگوئیوں اور استثناء کی بیان کردہ علامات کے مطابق اسی دنیا میں سخت سزا ملی جیسا کہ خداوند نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ "ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سنیگا تو میں اُس کا حساب اس سے لونگا"۔ پس اس معیار کے رو سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت روز روشن کی طرح بیّن اور واضح ہو جاتی ہے اور اگر کوئی طالب حق اس معیار کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پرکھنا چاہیئے تو اسکو سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لائے۔

اور ناظرین تعجب کرینگے کہ جیسا پیشگوئی زیر بحث کی دیگر علامتوں کو ایک ایک کر کے قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے اور اس طرح یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی طرح اس معیار کو بھی قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پرکھنے کے لیئے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذ نا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ یعنی اگر یہ نبی کوئی ایک بات بھی بطور بناوٹ کے ہماری طرف منسوب کرتا (یعنی کوئی جھوٹی وحی بنا کر پیش کرتا) تو ہم اسکو دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور اسکی رگ جان کو کاٹ ڈالتے اور کوئی شخص تم میں سے اسکو بچا نہ سکتا۔ دیکھو یہ وہی معیار ہے جو پیشگوئی زیر بحث میں پیش کیا گیا اور اسی معیار کو قرآن شریف پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی صداقت کا ثبوت دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتاب استثناء باب ۱۸ کی پیشگوئی لفظ بہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ قرآن شریف تفصیل کے ساتھ اس پیشگوئی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم پر چسپاں کرتا ہے۔ واقعات اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلعم کو قرار دیتے ہیں اور آپکے سوا اور کوئی ایسا شخص نہیں جسکو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا جا سکے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اس پیشگوئی میں جس مثیلِ موسیٰؑ کی خبر دیگئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص تعصب کو دور کر کے انصاف کے ساتھ فیصلہ کریگا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچیگا جو اوپر بیان ہوا۔

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

انجیلی زبان

یہ بات کون نہیں جانتا کہ مسیحی لوگ اس باتکے مدعی ہیں کہ ہمارے پاس اصلی اناجیل موجود ہیں جو یونانی زبان میں ہیں۔ اور ابتداسے یہ کتب اسی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ اور کہ مسیح کے وقت یہانتک

شام میں یونانی ہی سرکاری زبان تھی۔ یعنی ملکی اور تجارتی معاملات میں بھی زبان یونانی ہی استعمال ہوا کرتی تھی۔ مگر برخلاف اسکے اہل اسلام یہ کہتے ہیں۔ کہ اصلی انجیل زبان عبرانی میں نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ اسوقت عبرانی زبان ہی ملک شام میں بولی جاتی تھی۔ لہٰذا اہل شام کو دعوت کرنیکے لیئے ضروری تھا۔ کہ خدائے تعالیٰ عبرانی زبان میں ہی انجیل نازل فرماتا مگر مسیحی مورخ بھی لکھتے رہے ہیں۔ کہ اسوقت عبرانی زبان مردہ ہوچکی تھی۔ اسے کوئی استعمال نہیں کرتا تھا۔ اب یہ امر ظاہر ہے۔ کہ اگر بقول مسیحی مورخین اسوقت شام کی اصلی زبان یونانی ہی تھی۔ تو ضروری تھا۔ کہ انجیل بھی یونانی میں ہی نازل ہوتی۔ لیکن اگر کمیش بات ثابت ہوجائے۔ کہ اُسوقت اُس ملک کی زبان یونانی نہ تھی۔ بلکہ عبرانی زبان تھی۔ تو لاریب یہ نتیجہ نکلیگا۔ کہ موجودہ اناجیل اصلی نہیں۔ بلکہ یہ بعد کی تحریر ہے۔ کیونکہ اسکی زبان یونانی ہے۔ لیکن اہل شام کی مادری زبان عبرانی تھی۔ پس کیا ضرورت تھی۔ کہ خدائے تعالیٰ یونانی زبان میں اپنا کلام نازل کرکے بیچاری عبری بولنے والے لوگوں کو پریشان کرتا۔

ہمیں کچھ ضرورت نہیں۔ کہ اس بارے میں تاریخی بحث شروع کردیں۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ مسیحی صاحبان تاریخی شہادت کو اپنے لیئے حجت نہ سمجھیں۔ اس لیئے ہم عہد جدید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہ وہ اس بارے میں ہمیں کیا سکھاتا ہے۔ اور چونکہ مسیحیوں کے نزدیک نیا عہد نامہ الہاماً نازل شدہ ہے اسلیئے وہ اسکو رد نہیں کرسکتے۔

سب سے پہلے ہم انجیل متی کی جو بقول یونی ٹے ری ان لوگوں کے اول عبرانی میں اور مابعد یونانی میں لکھی گئی۔ شہادت پیش کرتے ہیں۔ متی مسیح کے علانیہ طور پر یروشلم میں داخل ہونیکی نسبت لکھتا ہے۔ کہ جب حضرت یسوع مسیح گدھے کے بچے پر سوار ہوکر یروشلم میں داخل ہونے لگے تو بھیڑ کے اکثر لوگوں نے اپنے کپڑے اسکے راستے میں بچھائے۔ اور بعضوں نے درختوں سے ڈالیاں کاٹ کر راہ میں پھیلادیں۔ اور بھیڑ جو اسکے آگے آگے جاتی اور پیچھے چلی جاتی تھی پکار پکار کر کہتی تھی۔ کہ ابن داؤد کو ہوشعنا۔ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے عالم بالا پر ہوشعنا متی ۲۱/۹

ہوشعنا ایک عبرانی لفظ ہے۔ جو زبور عبرانی ۱۱۸/۲۵ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اب غور کرنیکا مقام ہے۔ کہ بھیڑ کے لوگ عبرانی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس بھیڑ میں کسقدر لوگ خواندہ تھے۔ جو عبری کے عالم تھے۔ بلکہ ہم بخلاف اسکے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس بھیڑ میں

شاید پانچ فیصدی عبرانی پڑھے ہوئے لوگ موجود نہ ہونگے۔ کیونکہ یسوع پر یہود کے علماء میں سے بقول یوحنا ۴۸/۷ کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ بلکہ ایسے لوگ جو شریعت سے ناواقف تھے۔ اور یہ صرف یہود ہی کی شہادت نہیں۔ بلکہ تواریخی شہادت بھی موجود ہے۔ کہ مسیح کی حین حیات میں کوئی بڑا فریسی عالم اسکا مرید نہیں ہوا۔ بلکہ علماء ہمیشہ برخلاف رہے۔ اور نہ اناجیل میں ہی کہیں اس بات کی تردید پائی جاتی ہے۔ کہ یہود نے یہ غلط کہا۔ کہ کوئی شرع کا عالم مسیحی نہیں ہوا۔ لہٰذا اناجیل کی یہ خاموشی بھی اس امر پر شہادت دیتی ہے۔ کہ عبرانی جاننے والے علماء میں سے کوئی بھی مسیح پر ایمان نہیں لایا۔ پس نتیجہ یہ نکلا۔ کہ چونکہ اس بھیڑ کے لوگ ناخواندہ محض تھے۔ انہوں نے یہ لفظ ہوشعنا کیوں استعمال کیا۔ پس اسکے جواب میں ہم سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اسوقت ملک شام کے لوگوں کی اصلی زبان عبرانی تھی۔ یونانی نہ تھی۔

۲ متی یسوع کے مرنے کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔ کہ جب سے صلیب پر چڑھایا گیا۔ تو دوپہر سے لیکر تیسرے پہر تک زمین* پر اندھیرا چھایا رہا۔ اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی! ایلی لما سبقتنی متی ۲۷/۴۶ یہ الفاظ عبرانی ہیں۔ چنانچہ یہی الفاظ زبور ۲۲/۱ میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ پس اب سوال یہ ہے۔ کہ اگر مسیح کے وقت میں یونانی زبان تھی۔ عبرانی نہ تھی۔ تو مسیح کو کیا ضرورت تھی۔ کہ وہ یہ کلمات عبرانی زبان میں بولتا۔ ایسی مصیبت کے وقت میں تو انسان اپنی مادری زبان میں ہی کلام کرتا ہے۔ پس اس نازک گھڑی میں عبرانی الفاظ کا حضرت مسیح کے منہ سے نکلنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ عبرانی ہی آپکی مادری زبان تھی۔ پس ہم بڑے وثوق سے یہ کہ سکتے ہیں۔ کہ متی کی اس شہادت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ اس وقت یونانی زبان نہ تھی۔ بلکہ عبرانی زبان ہی تھی۔

۳ یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے۔ کہ جب یسوع مُردوں میں سے جی اٹھا۔ اور مریم مگدلینی پر ظاہر ہوا۔ تو مریم نے اسے نہ پہچانا۔ مریم نے یسوع کو باغبان سمجھکر اس سے پوچھا۔ کہ میاں۔ اگر تُو نے اسکو (حضرت یسوع مسیح کو) یہاں سے اٹھایا ہو۔ تو بتادے۔ کہ اسے کہاں رکھا ہے۔ تاکہ میں اسے لیجاؤں۔ یسوع نے اس سے

---

* اسجگہ تراجم میں عموماً یہی لکھا ہوتا ہے۔ کہ ساری ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ لیکن اصل یونانی ترجمہ یہی ہے۔ کہ ساری زمین پر اندھیرا چھایا رہا ہے۔ مگر مسیحی لوگ اعتراض سے بچنے کیلیئے یہی غلط اور بلا محاورہ ترجمہ لکھدیتے ہیں۔ تا لوگ نہ کہیں۔ کہ اسکا ثبوت دو۔ کہ تمام روئے زمین پر اندھیرا چھایا رہا۔ منہ

کہا۔ مریم! وہ پھر کر اسسے عبرانی زبان میں بولی۔ ربونی یوحناہ ۲۰ اور ۱۶

اب خیال کرنیکا مقام ہی۔ کہ اگر مسیح کے وقت میں یونانی زبان تھی۔ عبرانی نہ تھی۔ تو ان پڑھ عورت کی طرف یہ منسوب کرنا۔ کہ اس نے اس ہی عبرانی زبان میں کلام کیا۔ اور کہا۔ ای ربونی۔ سراسر جہالت نہیں۔ تو اور کیا ہی۔ کیونکہ ان پڑھ عورتیں عبرانی زبان میں صحف الانبیاء نہیں پڑھا کرتی تھیں۔ اور یہ امر بھی ظاہر ہی۔ کہ خوشی کے وقت اظہار خوشی عموماً اپنی مادری زبان میں ہی بے ساختہ ہوجاتا ہی۔ لہذا اس فطری وجہ سے مریم نے بھی ایک خوشی کی موقعہ پر اپنی مادری زبان عبرانی میں اظہار خوشی کیا۔ اور خوشی یہ تھی کہ یسوع مرا نہیں۔ بلکہ زندہ ہی۔ تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مسیح کے وقت میں اس ملک کی زبان عبرانی ہی تھی نہ کہ یونانی۔

اب عیسائی لوگوں کی زبردستی دیکھو۔ وہ اس کے جواب میں عموماً یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ یہ سب الفاظ مثل ہوشعنا۔ ربونی عام تھے۔ جو تمام اسرائیلی اور غیر اقوام کے یہودی مرید اپنے اپنے موقع پر استعمال کیا کرتے تھے۔ جس طرح کہ عوام مسلمان باوجود ان پڑھ اور ناخواندہ محض ہونیکی صورتیں الحمدللہ یا استغفراللہ وغیرہ ع عربی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور مسلمان ان پڑھ مستورات بھی یہ الفاظ بالعموم استعمال کرتی ہیں۔ پس اسی طرح اس وقت بھی ان پڑھ مرد و عورت عام الفاظ عبرانی استعمال کیا کرتے تھے۔ کیونکہ انکی سابقہ کتب مقدسہ عبرانی میں تھیں۔

اگرچہ یہ دلیل معقول نہیں۔ کیونکہ بے علم مسلمان مرد اور عورت کا عام عربی الفاظ بولنا صرف اسوجہ سے ہے۔ کہ انکی اپنی زبان میں قرآن شریف کا ایسا ترجمہ نہیں ہوا۔ جو عوام کو یاد ہو۔ مگر یہودیوں کی کتب کا ترجمہ یونانی زبان میں عام ہوچکا تھا۔ اور بقول مسیحیوں کے یہ امر بھی ظاہر ہی۔ کہ اسوقت یونانی زبان ملک شام میں بولی جاتی تھی۔ پس جس صورت میں یونانی زبان میں پرانے عہدنامے کا ترجمہ ہوچکا تھا۔ پھر اسوقت عبرانی زبان میں ناخواندہ لوگوں کی زبان سے اظہار خوشی کس طرح ہوسکتا تھا۔ نیز مسیحیوں کو اس بات کا بھی ثبوت دینا چاہیئے کہ وہ خاص الفاظ جنکا ذکر کیا گیا ہی یہودیوں میں عام طور پر بولے جاتے تھے۔ (یہ صحیح عبارت ہے؟) ذکر ہوا یونانی بولی کے آگے جب کتاب اعمال الرسل میں ہم یہ پڑھتے ہیں کہ ہیکل کے فساد کے وقت ایسی بڑی بھیڑ کے سامنے جیسے رومی صوبہ دار اپنی سپاہیوں سمیت بھی پولوس پر حملہ کرنے سے نہیں روک سکا۔ پولوس یروشلم میں بھیڑ کے سامنے عبرانی زبان میں تقریر کرتا ہی اعمال ۲۱ باب ۴۰ تو بلاشبہ ہمیں کہنا پڑتا ہی۔ کہ اسوقت یروشلم کی اصلی زبان عبرانی ہی تھی۔ کیونکہ مفسدہ پرداز لوگ

ع یہودیوں میں اسی طرح رائج تھی جس طرح بعض الفاظ مسلمانوں میں رائج ہیں۔ علاوہ اسکے

Digitized by Khilafat Library

جو عموماً جاہل اَن پڑھ ہوتے ہیں۔ انکے سامنے پولوس رسول عبرانی میں تقریر کرتا ہے۔ پس اگر اس وقت ملک شام کی زبان یونانی تھی۔ تو پھر کیوں پولوس نے عبرانی میں تقریر کی۔ کیا اس واسطے۔ کہ بھیڑ کے لوگ نہ سمجھ سکیں۔ نہیں۔ بلکہ اسواسطے کہ بھیڑ کے لوگ سمجھیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ جب بھیڑ کے لوگوں نے سُنا کہ ہم سے عبرانی زبان میں بولتا ہے۔ تو اور بھی چپ چاپ ہو گئے اعمال ۲۲/۲ اور اسکے بعد ایک لمبی تقریر لکھی ہے۔ پس کتنی بڑی غلط بیانی ہے۔ یہ کہنا۔ کہ مسیح کے وقت میں ملک شام میں یونانی زبان بولی جاتی تھی۔ ہم نے تو ثابت کر دیا۔ کہ عہد جدید کے رُو سے مسیح کے وقت میں اس ملک کی زبان عبرانی ہی تھی۔ لہٰذا مسیحیوں کو اختیار ہے۔ کہ وہ اپنی اس الہامی کتاب کا انکار کر دیں۔ عیسائی صاحبان مسیح کے اس کلام یعنی ایلی ایلی لما سبقتنی کی نسبت یہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ زبور کے داؤد کا یہ پہلا مطلع ہے۔ جو ایماندار لوگ تنگی کے وقت پڑھتے ہیں۔ اور عوام الناس اسے اصلی عبرانی میں ہی پڑھا کرتے تھے یونانی میں نہ پڑھتے تھے۔ اور اسی لئے یسوع نے بھی عبرانی میں پڑھا۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ اسکا مسیحی صاحبان کے پاس کیا ثبوت ہے۔ کہ ایماندار ایسا کیا کرتے تھے۔ صرف اعتراض سے مخلصی حاصل کرنے کیلئے ایک بات اپنی طرف سے بنالی

دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ کیا اسکے بعد یسوع مسیح نے کبھی کوئی اور کلام کسی کے ساتھ عبرانی زبان میں نہیں کیا۔ کیا یہ بالکل سچ ہے۔ کہ یسوع یونانی ہی بولا کرتا تھا۔ اور صرف الفاظ مذکورہ ہی عبرانی میں کہے تھے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے مسیح کی اصلی زبان عبرانی تھی اور وہ دنیا پر تو بالائے طاق۔ عالم بالا سے بھی اگر کسی کے ساتھ کلام کرتا تھا۔ تو عبرانی میں ہی کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ شاؤل یعنی پولوس پر جب مسیح پہلی بار ظاہر ہوا۔ تو عبرانی زبان میں یہ کہا۔ اے شاؤل۔ اے شاؤل۔ تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔ اعمال ۲۶/۱۴ اور پھر عبرانی میں پولوس کے ساتھ بہت سی اور باتیں کیں۔ پس غور کرو کہ یسوع تو جی اُٹھنے کے بعد بھی عبرانی میں کلام کرتا تھا۔ پولوس بھی عبرانی میں تقاریر کرتا ہے۔ مگر تمھارا یہ کہنا۔ کہ اُس وقت عبرانی زبان ایک مُردہ زبان تھی۔ اور مٹ چکی تھی۔ اور کہ اسکی جگہ یونانی استعمال ہوتی تھی۔ حق اور انصاف کا خون کرنا نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ پس ڈرو۔ اور اقرار کر لو۔ کہ اصلی انجیل ہمارے پاس نہیں۔ البتہ یہ بعد کی چند تحریرات ہمارے پاس موجود ہیں۔ جنہیں ہم نے انجیل کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ کہنا کہ اصلی انجیل عبرانی میں تھی۔ جو اب مفقود ہے۔ بالکل صحیح و درست ثابت ہوا ÷ فقط

ایک نومسلم جو عیسائیوں میں سے اول حضرت خلیفہ ثانی
کے ہاتھ پر اسلام لایا

گوشوارہ آمد و خرچ بابت ماہ مئی ۱۹۱۵ء - صدر انجمن احمدیہ - قادیان -

صیغہ تعلیم

آمد: فیس مدرسہ	فیس بورڈنگ	چندہ مدرسہ	[illegible]	دار العلوم	متفرق	صنعتی	سرمایہ [illegible]	میزان	نقایا	میزان کل	عملہ	[illegible]	اخراجات بورڈنگ	[illegible]	[illegible]	سررشتہ	وظائف	صنعتی	[illegible]	انتقالی	اخراجات تعمیر	سرمایہ [illegible]	میزان	باقی
[illegible] ۱۰/	[illegible] ۲/	[illegible] ۴/	[illegible] ۱۴/	[illegible]	[illegible] ۱/	[illegible] ۱۴/	[illegible]	[illegible] ۴/	[illegible] ۵/۱۰	[illegible] ۴/۷پ	[illegible] ۷/	[illegible] ۴/	[illegible] ۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۷/	[illegible] ۲/	[illegible]	[illegible] ۱۰/۲پ	[illegible] ۵/۴پ	[illegible] ۱/	[illegible] ۱۲/	[illegible] ۸/۷پ

مدرسہ احمدیہ / بیت المال

مدرسہ احمدیہ آمد: چندہ [illegible]	فیس [illegible]	اخراجات [illegible]	میزان	خرچ: [illegible]	[illegible]	فاضل	عملہ [illegible]	[illegible]	وظائف	میزان	فاضل	بیت المال آمد: [illegible]	[illegible]	متفرق	میزان	[illegible]	[illegible]	عملہ	خرچ: [illegible]	وظائف	[illegible]	انتقالی [illegible]	اخراجات تعمیر	[illegible]	[illegible]	میزان	فاضل	مستقل فنڈ
[illegible] ۱۰/۱۴	[illegible] ۴/	[illegible]	[illegible] ۳/۱۰پ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۱۵	[illegible] ۴/	[illegible] ۱۴	[illegible] ۳/	[illegible] ۲/۱۰پ	[illegible] ۱۱/	[illegible]	[illegible] ۱۲/	[illegible] ۷/	[illegible] ۵	[illegible] ۱۴/	[illegible]	[illegible] ۴/	[illegible] ۷/	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۱۴	[illegible] ۱/	[illegible] ۸/	[illegible] ۳/

مقبرہ / زکوٰۃ

مقبرہ آمد: حصہ [illegible]	وصایا	[illegible]	[illegible]	متفرق	میزان	نقایا [illegible]	میزان	خرچ: دفتر [illegible]	[illegible]	[illegible]	امداد [illegible]	امداد [illegible]	انتقالی [illegible]	سائر	[illegible]	اخراجات تعمیر	میزان	باقی	زکوٰۃ آمد: [illegible]	[illegible]	میزان	وظائف	متفرق	انتقالی [illegible]	میزان	باقی
[illegible] ۹/	[illegible] ۹پ	[illegible] ۱۳/	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۷/	[illegible] ۷/۴پ	[illegible] ۱۴/۷پ	[illegible] ۷/	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۸/	[illegible] ۶/۲پ	[illegible] ۵/	[illegible]	[illegible] ۵/	[illegible] ۸/۱۰پ	[illegible] ۱۱/	[illegible] ۱۵/	[illegible] ۹/	[illegible] ۱۵/	[illegible] ۵/۴/	[illegible] ۵/۱پ	[illegible] ۴/	[illegible] ۴/۹پ

اشاعت اسلام / مساکین

اشاعت اسلام آمد: [illegible]	انگریزی	اردو	[illegible]	متفرق	سرمایہ [illegible]	[illegible]	میزان	نقایا	میزان	خرچ: عملہ	انگریزی	اردو	متفرق	متفرق	انتقالی [illegible]	اخراجات تعمیر	میزان جمع	باقی	مساکین آمد: [illegible]	[illegible]	میزان	[illegible]	میزان
[illegible] ۱۰/	[illegible]	[illegible] ۱/	[illegible] ۴/	[illegible] ۱۱/	[illegible] ۹/	[illegible]	[illegible] ۱۱/۷پ	[illegible] ۵/۱۵پ	[illegible] ۱۱/	[illegible] ۱۱/	[illegible] ۶/	[illegible] ۱۱/	[illegible] ۹پ	[illegible] ۴/	[illegible] ۸/	[illegible]	[illegible] ۱۳/	[illegible] ۱۴/	[illegible] ۴/	[illegible]	[illegible] ۴/	[illegible] ۶/۲پ	[illegible] ۲/۱۰/

بقایا صیغہ جات یکم جون سنہ ۱۹۱۵ع

تعلیم	۷-۸-۱۰۲۰۷
اشاعت	۰-۱۴-۱۸۶۴
مقبرہ	۱۰-۸-۸۰۴
مساکین	۲-۱۰-۱۳۸۰
تعلیم	۳-۳-۳۴۷۴
زکوٰۃ	۸-۴-۲۶۹۳
بورڈران ہائی	۹-۶-۸۲۳
امانت بیرونی	۹-۱۲-۶۹
" اندرونی	۹-۰-۳۳۸۴
مستقل فنڈ	۶-۲-۳۹۱۴
میزان	۳-۷-۳۵۸۵۲
	۴-۱۰-۲۲۲۷۵
باقی	۱۱-۱۲-۱۳۵۷۶
منہائی پیشگی	۹-۱-۱۳۴۵۸
خود امین	۲-۱۱-۱۱۸

تفصیل ضرر صیغہ جات

مدرسہ احمدیہ	۲-۱۰-۳۶۰۹
بیت المال	۹-۸-۱۳۴۴۵
یتامیٰ	۶-۵-۱۵۱۸
متفرقات	۲-۳-۳۴۴۹
بورڈران مدرسہ احمدیہ	۹-۱۴-۲۵۲
میزان	۴-۱۰-۲۲۲۷۵

پیشگی صیغہ جات

تعلیم	۰-۱۴-۱۸۳۰
بیت المال	۳-۹-۲۸۶۹
مقبرہ	۰-۰-۴۹۹
متفرقات	۰-۰-۸۴۵
مدرسہ احمدیہ	۰-۰-۶۰۰
تعمیر	۶-۱۰-۶۴۷۳
اشاعت	۰-۰-۳۵۰
میزان	۹-۱-۱۳۴۵۸

محمد اشرف — ناظر

خلیفہ رشید الدین — محاسب

بقایا	امانت بیرونی	امانت اندرونی	متفرقات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

مختصر فہرست کارخانہ ایس۔ آر۔ دین احمد اینڈ کو شہر دہلی گلی قاسم جان

چاندیکا طلائی ملمع شدہ مانگ ٹیکا

جڑاؤ نہایت حسین

فی عدد

اصلی سونیکی ناک کی حسین کیلیں

نمبر ۱ جڑاؤ

نمبر ۲ نہایت

نمبر ۳ جڑاؤ

نمبر ۴ جڑاؤ

چاندیکی طلائی ملمع شدہ انگوٹھی چھلے

ست نگی ایک روپیہ چار آنہ

پنج نگی ایک روپیہ

پنجہ نما چھلے قیمت آٹھ آنے

سہ نگی بارہ آنے

نو ایجاد چاندیکے قمیص کے بٹن

قمیص کے لئے نہایت موزوں

نمبر اول فی سٹ ایک روپیہ

نمبر دوم فی سٹ ایک روپیہ

قابل دید نہایت خوشنما گلے کی سنہری چمپاکلی

نہایت خوبصورت اور نئی وضع تیار ہوئی ہے منگا کر ملاحظہ کیجے

نمبر اول چاندار فی عدد دو روپے آٹھ آنے

بلدار فی عدد

ہر دل عزیز بیگماتی دلربا ہار

ہندوستانی بیگمات نے نہایت ہی پسند کیا ہے نفاست اور نزاکت قابل تعریف

فی عدد دو روپے آٹھ آنے

فی عدد

نو ایجاد سنہری جڑاؤ فینسی چمپاکلی

کاریگر نے صنعت کا خاتمہ کر دیا ہر امیر اور غریب سب کے کارآمد ہے

قیمت فی عدد

اصلی ریلوے واچ

نمبر اول گارنٹی ۵ سال

قیمت چار روپے

نمبر دوم گارنٹی ۳ سال

قیمت

رسٹ واچ معہ تسمہ کلائی

چاندیکی گارنٹی ۵ سال

قیمت آٹھ روپے

نکل سلور گارنٹی ۳ سال

قیمت چار روپے آٹھ آنے

سوتوں کو وقت پر جگانیوالا الارم ٹائم پیس

جس ٹائم پر آپکو اٹھنا ہے اسی ٹائم پر سوئی کو لگا دیجئے وقت پر جگا دیگا

گارنٹی ۳ سال

قیمت دو روپے آٹھ آنے

قابل قدر منقش واچ

نمبر اول گارنٹی ۵ سال

فی عدد

طلائی ملمع شدہ جڑاؤ کرن پھول

طلائی ملمع شدہ کانٹی جڑاؤ ہیکل

کاریگر نے نہایت نازک اور نفیس تیار کی ہے

تین کنجی سے کھلنے والا تالہ

حیرت انگیز تالہ ہے

قیمت فی عدد بارہ آنے

نو ایجاد پالٹ گلاس

فی عدد بارہ آنے

جرمن سلور کی پازیب

اصلی جرمن سلور دار پازیب

قیمت فی جوڑا

ایس۔ آر۔ دین احمد اینڈ کو گلی قاسم جان شہر دہلی

جلدی بیماری کی دوا

یہ تیل کئی ایک مفید دیسی اور ولایتی ہسپتال کی تجویز کی ہوئی دواؤں کا مرکب ہے۔ اس سے ہر اقسام کے جلدی بیماری یعنی چمڑے کا مرض مثلاً خارش۔ کھجلی۔ چھاجن۔ اپرس وغیرہ دفع ہوتے ہیں۔ بہ نسبت خراب ہوئی چمڑے میں یہ اچھا فائدہ دکھاتا ہے چمڑے کی بیماری اکثر خون میں بھی نقص ہو جاتا ہے ایسی حالت میں تیل لگانے سے پورا نفع نہیں ملتا اسوجہ سے تیل لگانیکے ساتھ ہی خون صاف کرنیوالی دوا۔ ایڈو ڈینیٹڈ سارساپاریلا بھی حسب ہدایت استعمال کرنا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی ۸/ محصول ایک سے چار تک ۶/ رسالہ قیمت ۶ محصول ۶/

گھینگھے کی دوا

گھینگھا سخت اور بہت بڑا یا بہت دنوں کا ہو جانے سے آرام نہیں ہوتا مگر تھوڑے دن کا ورم رہتے ہی علاج برابر کرنیسے چھوٹ جاتا ہے۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسی گھینگھے کو آرام کرنیکا دعویٰ رکھتی ہے دوا ایک ماہ تک کرنا چاہیئے۔ اسمیں صرفہ بھی بہت کم ہے دوا ایک کھانیکی اور ایک لگانیکی ملتی ہے جو کہ ہفتہ کیلیئے کافی ہوتی ہے قیمت کھانیکی دوا ۱۲/ لگانے کی دوا۔ ۴/ محصول ڈاک ۵/

فصلی بخار و تلی کی دوا

آجکل سیکڑوں اشتہار فصلی بخار وطحال کے دوا کا آپ دیکھتے ہونگے انمیں عموماً کونین رہتی ہے۔ اسلیئے یہ دوائیں بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہے لیکن آرام نہیں کر سکتی۔ ایسے بخار کیلیئے ڈاکٹر ایس کے برمن کی فصلی بخار کی دوا چند روز میں ایکدم آرام کرنیکا دعویٰ رکھتی ہے اور عوام کا فائدہ مد نظر رکھکر قیمت بھی کم رکھی گئی ہے۔ اسمیں تین خاص صفتیں ہیں (۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے۔ اسلیئے چار پانچ خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے (۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی ہے (۳) یہ تلی کو گلا دیتی ہے۔ قیمت شیشی کلاں ۱۲/ محصولڈاک ۶/ شیشی خوردہ ۸/ محصولڈاک ۵/۔ دو شیشی ۶/

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

دانت کے درد کی دوا

لگاتے ہی درد مٹاتی ہے روتے کو ہنساتی ہے ایک باریک و مضبوط تنکے یا سینک کے سرے پر روئی لپیٹ کر اسے اس دوا میں ڈبو کر ٹھیک درد کے مقام پر لگائے اور اگر دانت کی جڑ میں درد ہو تو ذرا سی روئی ڈبو کے اسمیں بھر دیں فوراً درد بند ہو جاتا ہے قیمت ۴/ محصولڈاک ایک سے تین شیشی تک ۶/

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

پرانے ملیریا بخار کی گولیاں

ان گولیوں میں کونین نہیں ہے جہاں بار بار کونین یا کونین ملی ہوئی دوائیاں کھانے پر بھی بخار نہ جاتا ہے۔ گولیاں ایسی ہی حالت کے لیئے بنی ہیں۔ اسکے استعمال سے پرانے سے پرانا ملیریا فوراً دفع ہو جاتا ہے قیمت ۲۴ گولیاں فی ڈبیہ آٹھ آنہ ۸/ محصول ڈاک ۵/

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین قادیان میں منشی محمد نصیب پرنٹر و پبلشر کے اہتمام سے چھپکر صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور کیلیئے شائع ہوا۔